



ندائے خلافت

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا ترجمان

مسلحہ اشاعت کا
35 واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

11 تا 17 ربیع الاول 1448ھ / 25 تا 31 اگست 2026ء

اس شمارے میں

ربیع الاول اور ہم

ربیع الاول اسلامی سال کا وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں محسن انسانیت، نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لائے اور اسی ماہ میں آپ کا وصال بھی ہوا۔ اس نسبت سے یہ مہینہ اُمت مسلمہ کے لیے تجدیدِ محبت، سیرتِ طیبہ پر غور کرنے اور آپ کی تعلیمات کو اپنانے کا خاص پیغام لے کر آتا ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ تو مسلمان کے لیے ہر مہینہ ہی باعثِ برکت ہے، یہ مسلمان کی شانِ نہیں اور اسلام کا طریقہ نہیں کہ ایک مہینہ اعمال ہوں، پھر پورا سال پاہل ہو یا ایک مہینہ عقیدت و محبت ہو پھر پورا سال شغلت ہو، لہذا ربیع الاول ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ بحیثیت مسلمان زندگی کے ہر موڑ، ہر لمحے ایسے رہو جیسے اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتے ہیں۔

لہذا اس ماہ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم صرف ظاہری تقریبات تک محدود نہ رہیں بلکہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔ اپنے اخلاق، معاملات اور روزمرہ کے معمولات کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالنے کا عہد کریں۔ انتہائی حکمت کے ساتھ ایسی رسومات سے معاشرے کو صاف کیا جائے جو دین کے اصل حلیہ میں بگاڑ پیدا کریں، دین کے نام پر خلافِ اسلام کام کو وسعت دینا بڑی کاسمان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر خیر انتہائی برکت والا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس متواتر سنتِ مطہرہ کو اپنانا بھی ہماری دینی ذمہ داری ہے جس پر آپ نے مسلسل 23 سال تک عمل کر کے اُمت کے لیے تاقیام قیامت نشان منزل چھوڑا یعنی دین کو انفرادی سطح پر اوڑھنا چھوڑنا بنانے کے ساتھ اس کی دعوت کو عام کرنا اور اجتماعی سطح پر اس کے قیام اور نفاذ کی جدوجہد کرنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں صحیح راستے کی سمجھ و عطا فرمائیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

فرید اللہ مروت
رکن مجلس ادارت

مسجد اقصیٰ کی حرمت اور فلسطینی مسلمانوں
کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں!

حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے
اور بیداریِ اُمت

راہِ نجات اور اقامتِ دین کی جدوجہد

قرآن کے ذریعے تذکیر کیجیے!

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری

داعی و مبلغِ اسلام کی دس صفات

روح کی حقیقی غذا؟



اللہ تعالیٰ تمام تعریف،
شکر اور قدرت کا مالک حقیقی ہے

الہدایہ
جلد ۱۱۹۸

آیات: 25، 26

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾
اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

آیت: ۲۵ ﴿وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!“
﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾﴾ ”آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

آیت: ۲۶ ﴿اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ﴾ ”اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔“
لفظ اللہ کے ساتھ یہاں ”لام تملیک“ آیا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔
﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾﴾ ”یقیناً اللہ ہی غنی ہے، بہت خوبیوں والا۔“
وہ بے نیاز ہے، اُسے کوئی احتیاج نہیں، وہ خود اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔



”.....تب اللہ تمہاری دعائیں قبول نہیں کرے گا“



عَنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُؤْثِرَنَّ اللَّهُ أَنْ يَنْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا يُدْرِكُهُمْ تَدْعُوهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ)) (رواه الترمذی)
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ (اے مسلمانو!) تم لازماً حکم دو گے معروف کا اور لازماً روکو گے منکر سے۔ (اگر تم نے ایسا نہ کیا) تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے لازماً عذاب نازل کرے گا اور پھر تم اس کو پکارو گے لیکن وہ تمہاری دعائیں قبول نہیں کرے گا۔“

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جب تک لوگ انجام دیتے رہیں گے، اُس وقت تک ان پر عمومی عذاب نہیں آئے گا، اور جب لوگ اس فریضہ کو چھوڑ بیٹھیں گے اُس وقت رب العالمین کا اُن پر ایسا عذاب آئے گا کہ اس کے بعد پھر ان کی دعائیں نہیں سنی جائیں گی، شارحین حدیث کے مطابق اگر ایک محد و علاقہ کے لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والے کام سے کلی طور پر رک جائیں تو صرف اُن پر بھی عام عذاب آ سکتا ہے۔ واللہ اعلم!

ندائے خلافت

خلافت کی بنیادیں ہو پھر استوار لاکھوں سے ہونے لگاں کتب جگر

تنظیم اسلامی ترجمان انصاف خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد رحیم

11 تا 17 ربیع الاول 1448ھ جلد 35

25 تا 31 اگست 2026ء شمارہ 32

مدیر مسئول: شجاع الدین شیخ

مدیر اعزازی: حافظ عاکف سعید

مدیر: رضاء الحق

مجلس ادارت: فرید اللہ مروت • محمد رفیق چودھری
وسیم احمد باجوہ • خالد نجیب خان

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: سکریٹری دین حق ٹرسٹ لاہور
مطبوع: آر آر پرنٹرز، سکریاں روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

”دارالاسلام“ ملتان روڈ جگ لاہور۔ پتہ: 53800
فون: 35473375-78 (042)
E-Mail: markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36 کے ٹائل وٹن لاہور۔ 54700
فون: 35889501-03 فکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 30 روپے

سالانہ ذمہ تعاون

اعزادوں ملک: 1,200 روپے
بیرون پاکستان

امریکہ: کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (32,000 روپے)
اٹلی، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (24,000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پی آرڈر
مکتبہ مرکزی اجماع علماء القرآن کے عنوان سے ارسال
کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email: maktaba@tanzeem.org

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے اور بیداری اُمت

12 ربیع الاول ہمارے ملک سمیت بیشتر مسلم ممالک میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر ایک بنیادی حقیقت ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال 12 ربیع الاول کو ہوا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کے بارے میں اہل علم کے ہاں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ ولادت کے قطعی تعین کے معاملے میں احتیاط ہی مناسب طریقہ عمل ہے۔ تاہم اس حقیقت میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے لیے اُس کے باپ، اُس کے بیٹے اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔“ (متفق علیہ)

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کیا ہے اور اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ قرآن مجید نے ایمان کی بنیادیں اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 165 میں ارشاد ہے: (ترجمہ) ”اور جو لوگ واقعتاً صاحب ایمان ہوتے ہیں، اُن کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔“ گویا حقیقی ایمان محض زبانی دعوے کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو زندگی کا مرکز بنانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعد انسانوں میں سب سے بڑھ کر جس ہستی سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سب سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں، ایمان کا دعویٰ اپنے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کے لیے بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کو سورۃ الاحزاب کی آیت 21 میں یوں واضح کیا: (ترجمہ) ”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کے اسوۂ میں) بہترین نمونہ ہے۔“ چنانچہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا عملی تقاضا اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ محبت اگر انسان کے کردار، معاملات، اخلاق اور طرز زندگی میں تبدیلی پیدا نہ کرے تو وہ محض ایک جذباتی دعویٰ بن کر رہ جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اظہار کا ایک اہم ذریعہ کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب کی آیت 56 میں فرماتا ہے: (ترجمہ) ”یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو۔“ لیکن کیا صرف درود و سلام پڑھ لینے سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تقاضے پورے ہو جاتے ہیں؟ درود و سلام محبت کا عظیم اظہار ہے، مگر اس محبت کی تکمیل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے وابستگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے وفاداری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں اختیار کرنے سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس محبت کی سب سے روشن مثال ہیں۔ اُن کے ہاں حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ اور جذبات سے آگے بڑھ کر اطاعت، وفاداری، قربانی اور عمل کا دوسرا نام تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ”تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔“ (سنن ترمذی) اسی لیے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی نمونہ دیکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے بھی پوری وفاداری کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے، اُس کی سربلندی اُن کی زندگی کا مقصد بن گئی۔ توحید کا پیغام عام کرنا، اسلام کی دعوت پہنچانا، حق کے لیے قربانی دینا اور اللہ کے دین کے ساتھ وفاداری نبھانا اُسے قائم و نافذ

کرنے کی جدوجہد کرنا اُن کے معمولات زندگی کا حصہ بن گیا۔ وہ اپنی ذات سے بلند ہو کر ایک عظیم مقصد کے لیے جیتے اور جان دیتے تھے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں آج کے مسلمان کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ ہم محبت رسول ﷺ کا دعویٰ تو کرتے ہیں، درود و سلام بھی پڑھتے ہیں، میلاد کی محافل بھی منعقد کرتے ہیں اور فقہی کلام کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں جو اہم عبادات ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہماری محبت ہمارے کردار میں بھی دکھائی دیتی ہے؟ کیا ہمارے معاملات سنت رسول ﷺ کے مطابق ہیں؟ کیا ہمارے باہمی تعلقات، اخلاق، معیشت، سیاست اور معاشرت میں اُسوۂ رسول ﷺ کی جھلک نظر آتی ہے؟ کیا ہم اُس دین کے ساتھ اُسی درجے کی وفاداری رکھتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی کی روشن ترین مثال سے دنیا تک پہنچایا؟

یہ سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ آج اُمتِ مسلمہ دنیا کے مختلف حصوں میں کمزوری، انتشار، مظلومیت اور مغلوبیت سے دوچار ہے۔ غزوہ کشمیر، لبنان، شام، سوڈان، صومالیہ اور میانمار سمیت کئی خطوں میں مسلمان مصائب کا شکار ہیں۔ دوسری طرف اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے باوجود دنیا کے مختلف معاشروں میں قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے کی طرف توجہ بھی بڑھ رہی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہے، لیکن اتنی بڑی انسانی قوت کے باوجود اُمت اپنے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے وہ کردار ادا نہیں کر پا رہی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ اس کمزوری کا سبب صرف بیرونی سازشیں نہیں۔ بیرونی قوتیں یقیناً اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھاتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اُنہیں یہ مواقع ملتے کہاں سے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ واریت، قومیت، لسانیت، علاقائی تعصبات اور ذاتی و گروہی مفادات نے اُمت کو اندر سے اس قدر تقسیم کر دیا ہے کہ اجتماعی قوت کا اظہار مشکل ہو گیا ہے۔ ہم دشمن کی سازش کا ذکر تو بہت کرتے ہیں، مگر اپنے داخلی انتشار کا احتساب کم ہی کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل ایمان کو باہمی اخوت کا درس دیا ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت 10 میں فرمایا: (ترجمہ) ”بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“ اگر محبت رسول ﷺ ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے تو پھر آپ ﷺ کی تعلیمات میں موجود اُمت کی وحدت، اخوت اور باہمی تعاون بھی ہماری ترجیحات کا حصہ ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔ اس لیے اُمت کی قوت محض تعداد میں نہیں بلکہ اتحاد، نظم، باہمی اعتماد اور مشترکہ مفادات کے تحفظ میں ہے۔

اسی تناظر میں حالیہ دنوں مکہ مکرمہ میں پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان ہونے والا مشترکہ دفاعی معاہدہ ایک اہم پیش رفت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ تینوں ممالک کے درمیان طے پانے والے اس معاہدے کی بنیادی روح یہ ہے کہ کسی ایک فریق پر مسلح حملہ تینوں پر حملہ تصور ہوگا۔ اگرچہ معاہدے میں کسی ملک کو دشمن قرار نہیں دیا گیا، تاہم غلطی کی موجودہ سیاسی اور ترویجی صورت حال کے باعث اس کی اہمیت غیر معمولی ہے۔

البتہ معاہدے کے اعلان کے بعد یہ سوال بھی سامنے آیا ہے کہ کیا یہ دفاعی بندوبست ایران کے خلاف تو نہیں بنایا گیا۔ پھر یہ کہ ناجائز صیونی ریاست اسرائیل جو

ہرگز رتے دن کے ساتھ ”گریٹر اسرائیل“ کے ایلیسی منصوبے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ غزوہ پر وحشیانہ حملے اور مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے، مسجد اقصیٰ پر صیونیوں کے پے در پے حملے جاری ہیں۔ مذموم صیونی منصوبوں کا تازہ ترین اندوہناک مظہر یہودیوں کو قبلہ اول کے احاطے میں عبادت کی اجازت دینا ہے۔ لبنان اور شام میں ترکیہ کی افواج پر حملے کروائے گئے۔ پھر یہ کہ نٹین یا ہوگر یٹز اسرائیل کے دجائی منصوبے کو اپنا ”تاریخی“ اور ”روحانی“ مشن قرار دیتا ہے اور ٹرمپ ابراہم کارڈز کے ایلیسی جھنڈے تلے مسلمان ممالک کو اسرائیل کو تسلیم کروانے کی مہم کو توسیع دینے کا مسلسل اعلان کر رہا ہے۔ کیا یہ ملکی مشترکہ دفاعی معاہدہ ان ریشہ دوانیوں کے خلاف بھی کوئی عملی قدم اٹھائے گا؟ یہ بڑے سوالیہ نشان ہیں۔

اس معاملے کا ایک دوسرا قابل غور پہلو امریکی رد عمل بھی ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے مکہ مکرمہ کے اس مشترکہ دفاعی معاہدے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ایک بڑا اور اہم قدم قرار دیا اور کہا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق وسطیٰ متحد ہو رہا ہے اور اپنی دفاعی صلاحیت میں اضافہ کر رہا ہے۔ تاہم یہاں بھی ہمیں جذباتی خوشی کے بجائے دوراندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کسی دفاعی معاہدے کے فی الوقت کسی فریق کے لیے قابل قبول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات میں اس کے اثرات بھی ہمیشہ یکساں رہیں گے۔ بین الاقوامی سیاست میں دوستیاں اور ترجیحات مستقل نہیں ہوتیں؛ ریاستیں اپنے مفادات کے تحت پالیسیاں تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ جو طاقت آج کسی اقدام کو سراہ رہی ہو، ضروری نہیں کہ کل بھی اس کے نتائج کو اسی نظر سے دیکھے۔ اس لیے کسی بھی علاقائی یا دفاعی پیش رفت کو اُمتِ مسلمہ کے وسیع تر مفاد، قومی خود مختاری، باہمی اعتماد اور طویل المدت حکمت عملی کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ یہی دراصل اُسوۂ رسول ﷺ کا تقاضا بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فتوحات اور کامیابیوں کے مواقع پر تکبر یا خود نمائی کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور شکر کا رویہ اپنایا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی عاجزی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ کامیابی بھی بندے کو اپنے رب کے سامنے مزید جھکانے والی ہونی چاہیے۔

آج رجب الاول کے مہینے میں اگر ہم واقعی محبت رسول ﷺ کا کسی درجہ میں حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے جذبات کو عمل سے جوڑنا ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگیوں میں سنت رسول ﷺ کو مرکزی جگہ دینی ہوگی، باہمی اختلافات اور تعصبات سے اوپر اٹھنا ہوگا، اُمت کی وحدت کو ترجیح دینا ہوگی۔ محبت رسول ﷺ صرف زبان کا دعویٰ نہیں؛ یہ زندگی بدل دینے والا عہد ہے۔ یہ محبت انسان کو اطاعت رسول ﷺ سکھاتی ہے، سنت سے وابستہ کرتی ہے، اخلاق سنوارتی ہے، مظلوم کے درد کو محسوس کرنا سکھاتی ہے، اُمت کے دکھ کو اپنا دکھ بناتی ہے اور مسلمانوں کو باہمی اخوت و اتحاد اور اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کے نفاذ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت قرار دیتا ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ کو اسی حقیقی محبت کی ضرورت ہے۔ اللہ کی بندگی کو خود اختیار کرنا، اللہ کی بندگی والے نظام کی دعوت دوسروں تک پہنچانا اور اللہ کی بندگی والے نظام کے قیام و نفاذ کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینا..... یہی محبت رسول ﷺ کا حقیقی تقاضا ہے اور یہی ہماری موجودہ حالتِ زار سے نکلنے کی پہلی سیڑھی بھی ہے!



اُمتِ مسلمہ کے لیے راہِ نجات اور اقامتِ دین کی جدوجہد

(تنظیمِ اسلامی کی مہم کے تناظر میں)



مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیپارٹمنٹ میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ رحمہ اللہ کے 14 اگست 2026ء کے خطاب جمعہ کی تحفیس

ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں حکمرانی ہے، وہ اللہ کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے، یا کہے کہ شریعت تو نافذ کرنے کے لیے ہے ہی نہیں تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے، شریعت کو ماننا ہے لیکن شریعت کو اپنے وجود پر، اپنے گھر میں اور اپنے دائرہ اختیار میں نافذ نہیں کرتا تو وہ عملاً کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ پھر فقہاء نے اس کے درجات بھی معین کیے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کا حکم صرف پڑھنے، چھاپنے، کورسز کروا دینے یا جمعہ کے خطبہ میں صرف بیان کر دینے کے لیے نہیں آیا۔ صرف اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات میں کمپائل کر دینے کے لیے نہیں آیا، صرف کسی دارالافتاء میں submit کر دینے کے لیے نہیں آیا۔ دینی کی مساجد میں فتویٰ لکھ کر لگا دیا گیا کہ شراب حرام ہے لیکن باہر نکل کر دیکھو تو ڈیوٹی فری شاپس شراب سے بھری ہوئی ہیں۔

اس دہرے طرزِ عمل پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبردار کیا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ﴿مَّا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ﴿الذِّف﴾ "تم کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ہو؟ بڑی شدید بے زاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔" یہ صرف دینی کا مسئلہ نہیں، یہ پاکستان کا بھی مسئلہ ہے۔ سندھ اسمبلی کے ایک ہندو ممبر نے مجھے بتایا کہ ہندو مذہب میں بھی شراب منع ہے، سندھ میں مسلمان اشرافیہ ہندوؤں کے نام پر شراب کے پرست جاری کرتی ہے اور پیتے خود مسلمان ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ اسی سورت کے آغاز میں اہل کتاب کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کہتے ہیں:

کافروں اور مشرکوں سے مختلف ہے۔ دنیا میں دولت، اقتدار، بادشاہت تو اللہ نے قارون، نمرود اور فرعون کو بھی دی تھی لیکن ان کا معاملہ صرف دنیا تک ہی محدود تھا لیکن مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب صرف اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ کے دین کے ساتھ مخلص ہوں گے، اس کے نفاذ کے لیے جان، مال، صلاحیتوں اور وقت کی قربانی دیں گے۔ ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ کی مدد ہمارے شامل ہوگی۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اُمت کو دوبارہ عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

مرتبہ: ابو ابراہیم

2۔ فریضہ اقامت دین کو چھوڑنے کے نقصانات

اگر اللہ کا دین نافذ نہ کیا جائے، یعنی اس کی جدوجہد نہ کی جائے، اس کی محنت نہ کی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری کیا حیثیت ہوگی؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُجْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ "اور جو اللہ کی آٹاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔" (المائدہ: 44) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُجْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ "اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی آٹاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔" (المائدہ: 45) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَخُجْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ "اور جو لوگ فیصلے نہیں کرتے اللہ کے آٹارے ہوئے احکامات و قوانین کے مطابق وہی تو فاسق ہیں۔" (المائدہ: 47) بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ یہ اللہ تعالیٰ کے تین فتوے

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات قرآنی کے بعد! اُمتِ مسلمہ کی حالت زار اور راہِ نجات کے عنوان سے تنظیمِ اسلامی کی ملک گیر مہم اپنے آخری مرحلے میں ہے، اس مہم کے دوران جہاں اُمتِ مسلمہ کی حالت زار پر کلام ہوا، زوال کے اسباب بھی زیر بحث آئے، وہاں نجات کی راہ بھی بیان ہوئی۔ گزشتہ جمعہ کو راہِ نجات کے پہلے حصے یعنی رجوع الی القرآن پر کلام ہوا۔ آج راہِ نجات کا دوسرا حصہ یعنی اقامت دین کی جدوجہد ہمارا موضوع ہوگا۔ ان شاء اللہ! اس حوالے سے چند بنیادی اور ضروری باتیں آپ کے سامنے پیش کرنا مقصود ہیں۔

1۔ اقامت دین کی جدوجہد ہر مسلمان کا فریضہ

یہ اُمت جس کام کے لیے کھڑی کی گئی، وہ اقامت دین کی جدوجہد ہے۔ پہلے اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تفسیر بھیجے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی 23 سالہ جدوجہد میں اس فریضہ کو عملی طور پر ادا کر کے دکھایا۔ ختم نبوت کے بعد اس فریضہ کو ادا کرنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کی دعوت کو عام کرنا، قرآن کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا، ہر اُمتی کا فرض ہے۔ آج اُمت کا سب سے بڑا اجتماعی جرم یہ ہے کہ اُمت نے اس فریضہ کو فراموش کر دیا۔ پاکستانیوں کا سب سے بڑا جرم بھی یہی ہے کہ ہم نے اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی کی، اسی لیے آج ہم ذلیل و خوار ہیں اور مسلسل ہمارے حالات گہڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس معاملے میں ہم دیگر اقوام کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کر سکتے۔ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ہم امام الانبیاء ﷺ کے اُمتی ہیں، ہمارا معاملہ

ہور ہے ہیں، معاشرے کا جڑا غرق ہے، تعلیمی نظام تباہ ہو چکا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم میرے دین کی مدد کرو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اور تمہارے قدموں کو جما دوں گا۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ دین میں نہیں ہے بلکہ ہمارے یقین اور عمل میں ہے۔ سورۃ آل عمران 160 میں فرمایا: ﴿إِنْ يَنْظُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَنْصُرْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْظُرْكُمْ ۚ قُلْ ۚ تَعْدِلُ ۚ﴾ (اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟

ہمیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اللہ کی کامل اطاعت کے۔ سورۃ المائدہ کی آیت 66 میں سابقہ مسلمان امت کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْبَرُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ﴾ اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تو رات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔

اللہ آسمان سے بھی برکتیں عطا فرما دیتا، اللہ زمین سے بھی خزانوں کو کھول دیتا، اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر تمام انسان اور جنات ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دوں، جب بھی میرے خزانے میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی جتنی سوئی سمندر میں ڈوبنے سے اس کے پانی میں ہوتی ہے۔

اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، وہ آج بھی اس امت کو بہت کچھ عطا کر سکتا ہے، دنیا میں دوبارہ عروج اور غلبہ عطا کر سکتا ہے۔ مسئلہ ہمارا اپنا ہے کہ ہمیں شاید اللہ پر یقین اور توکل نہیں رہا کہ ہم اس کے دین کے لیے کھڑے نہیں ہورہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نو میدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

4۔ اختلافی نقطہ نظر اور اسلاف کا عمل

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غلبہ دین کی جدوجہد یا خلافت کے قیام کی بات کرنا دور حاضر کے بعض کالرز کا

مسئلہ ہے، اس سے قبل دین میں ایسے کسی فریضہ کا ذکر نہیں تھا۔ بعض نے کہا علامہ اقبالؒ کو بیٹھے بھائے خیال آگیا اور انہوں نے کہہ دیا۔

سروری زیبا فقط اس ذات ہوتا کو ہے
عکراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

علامہ اقبال نے خواب دیکھا کہ ایک ایسا خط ارضی ہو جہاں ہم اسلام کو نافذ کر کے اس کا ایک عملی نمونہ بنایا کو دکھاسکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مولانا مودودیؒ کو کیا سوچھی کہ انہوں نے حکومت الہی کی بات کر دی۔ سید قطب شہیدؒ

کو کہاں سے خیال آگیا اسلامی نظام ہونا چاہیے، پھر اسی جدوجہد میں وہ شہید بھی ہو گئے۔ یوسف القرضاوی صاحب کو پتا نہیں کیا ہو گیا کہ وہ بھی جذباتی ہو کر نفاذ دین اور تکبیر کی باتیں کرنے لگے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو پتا نہیں کہاں سے خیال آگیا کہ غلبہ دین کی جدوجہد ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ کچھ جدت پسند کہلوانے کے شوقین لوگ اس طرح کی بخشش سوشل میڈیا پر آج کر رہے ہیں۔ اسی طرح کچھ ملحدین اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے بھی طرح طرح کی گمراہیاں اور غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ دینی طبقات میں سے بھی بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دین کے تصور کو اس قدر محدود کر لیا ہے کہ اب ان کے نزدیک بھی اقامت دین کی جدوجہد ایک انجینی سی بات لگتی ہے۔ ان کی ساری بحثوں کا محور و مرکز چند فقہی مسائل اور مباحث ہیں۔ جبکہ اقامت دین کی جدوجہد جو کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 برس کی متواتر سنت ہے، اس کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی اس کی بات کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نیا دین پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح کچھ دینی لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کی بات مت کرو، مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ خلافت کے الفاظ اور اس کے قیام کے تقاضے قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ کیا قرآن سے وہ آیات نکال دی جائیں؟ کیا قرآن پڑھنا چھوڑ دیں۔ معاذ اللہ۔ ساڑھے 14 صدیوں سے امت اقامت دین کی جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھتی آئی ہے۔ اگر آج ہم میں بگاڑ پیدا ہو گیا، داعش جیسے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے خلافت کے لفظ کو بدنام کر دیا تو ضرورت اس بگاڑ کو دور کرنے کی ہے، نہ ہم قرآن اور خلافت کو ہی چھوڑ دیں۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا لبو تو اسی جدوجہد میں طائف کی گلیوں میں بہا، اُحد کے میدان میں بہا، اپنے

259 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانوں کے نذرانے پیش کیے، تب جا کر اللہ کا دین جزیرۃ العرب میں قائم ہوا۔ ہم روز محشر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے دین کے لیے کیا کیا؟ آئیے اس موضوع پر اسلاف کا موقف جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ بہت بڑے مفسر ہیں۔ اپنی کتاب الجامع الاحکام القرآن میں سورۃ البقرہ کی آیت 30 ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۚ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(هذه الآية أصل في نصب إمام وخليفة يسمع له ويطيع لتجتمع به الكلمة. وتنفيذ به أحكام الخليفة... ولا خلاف في وجوب ذلك بين الامة وبين الائمة) ”یہ آیت امام اور خلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ (کلیہ) کی حیثیت رکھتی ہے، ایسا امام کہ جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔“

آج امامت کا تصور صرف نماز تک محدود کر لیا گیا اور امت کے 57 کھڑے کر لیے گئے حالانکہ اسلاف کے مطابق امت کا ایک امام ہونا چاہیے جس کا معروف کے دائرہ میں حکم پوری امت مانے اور اس پر عمل کرے تاکہ امت کی مرکزیت اور اجتماعیت برقرار رہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ: نصب امامت کے فرض ہونے میں امت اور اماموں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب مجموع فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

(يجب أن يعرف أن ولاية أمر الناس من أعظم واجبات الدين، لا قيام للدين ولا للدنيا إلا بها) ”یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ لوگوں کے معاملات کا اختیار سنبھالنا (امامت، خلافت) عظیم ترین دینی فرائض میں سے ایک ہے، درحقیقت اس کے بغیر نہ تو دین قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیاوی زندگی۔“

اکثر فقہاء کے نزدیک واجب اور فرض ایک ہی چیز ہے۔ احناف کے ہاں فرض اور واجب میں تھوڑا سا فرق ہے تاہم وہ بھی زیادہ فرق نہیں سمجھتے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلافت کے قیام کی جدوجہد عظیم ترین واجبات میں سے ایک ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ دین قائم ہو سکتا ہے اور نہ دنیا کی اصلاح ممکن ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

(فالدین أصل والسلطان حارس، وما لا أصل له فمهدوم، وما لا حارس له فضائع)

”مذہب اور اختیار جزواں چیزیں ہیں۔ مذہب ایک بنیاد ہے اور اختیار ایک نگہبان ہے۔ جس کی کوئی بنیاد نہیں وہ فنا ہو جاتی ہے اور جس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا وہ ضائع ہو جاتا ہے۔“

دین اپنا نفاذ چاہتا ہے اور نفاذ کے لیے حکومت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے دین کو حکومت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر خلافت نہیں ہوگی تو دین کیسے غالب ہوگا۔

اسی طرح امام الماوردی رحمہ اللہ اپنی کتاب الاحکام السلطانیۃ ولولایۃ دینیۃ میں فرماتے ہیں: (الْمَصَافَةُ: مَوْضُوعَةٌ لِخِلَافَةِ النَّبِيِّ فِي حِرَاسَةِ الدِّينِ وَبَسْمِاسَةِ الدُّنْيَا) ”امامت کا قیام نبوت کے جانشین کے طور پر دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کے انتظام و انصرام کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین صرف پڑھایا، سکھایا نہیں ہے بلکہ عملی طور پر قائم کر کے دیا ہے۔ امامت یا خلافت کا نظام ہوگا تو دین قائم اور نافذ ہوگا اور دین کی حفاظت بھی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ امامت و خلافت کا نظام نبوت کا قائم مقام اور جانشین ہے۔

اسلاف میں سے ابن خلدون بہت بڑے اور نامور مورخ اور مفکر ہیں۔ وہ مقدمہ ابن خلدون میں فرماتے ہیں:

(والخلافة هي حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي في مصالحهم الأخروية والدينية الراجعة إليهما) ”خلافت اور اقامت دین کا مقصد تمام لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق چلانا ہے تاکہ ان کی دنیا کی اصلاح ہو اور آخرت کی غلام ممکن ہو سکے۔“

امام رازی رحمہ اللہ سورۃ المائدہ کی آیت 38 ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ ”اور چور خود مرد ہو یا عورت“ ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو“ کے ذیل میں فرماتے ہیں: (احتج المتكلمون بهذا الآية في انه يجب على الامعي ان ينصبوا لانفسهم اماما معينا) ”اس آیت کی رو سے امت پر فرض ہے

کہ وہ اپنا ایک امام (حاکم، خلیفہ) مقرر کرے تاکہ وہ ان سزاؤں کو نافذ کر سکے۔ ورنہ چور کا ہاتھ کون کاٹے گا؟ اس کا حکم کون دے گا؟“

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی کتاب از الة الخلفاء عن خلافة الخلفاء میں فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ نے جہاد کو، قضا کو، علوم دینیہ کے زعمہ رکھنے کو، ارکان اسلام کے قائم کرنے کو فرض قرار دیا ہے، اور یہ تمام امور امام مقرر کیے بغیر، خلیفہ مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے۔“

مولانا مودودیؒ نے لکھا: ”قرآن کہتا ہے کہ چور کو سزا دینی ہے، قاتل کو سزا دینی ہے، تو یہ سزا کون دے گا؟ اس کا حکم دینے کا اختیار کس کے پاس ہوگا جب تک کہ ہم خلافت کا نظام قائم نہیں کریں گے۔“

اسلاف کی یہ آراء یہ ثابت کرتی ہیں کہ اقامت دین کی جدوجہد کو اسلام کی 14 سو سالہ تاریخ میں فرض سمجھا جاتا رہا ہے۔ آج مغربی افکار و نظریات کے زیر اثر بعض لوگوں کے نزدیک یہ ابھی باتیں ہیں حالانکہ وہ خود لاعلم ہیں۔ مغربی افکار کے زیر اثر بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں مفتی تقی عثمانی صاحب اور مفتی منیب الرحمن صاحب نے بہت عمدہ آرٹیکلز لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حکم دیتا ہے: ﴿وَأَقْرَهُهُمُ شُؤْزَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری: 38) ”اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔“

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں تو وہ اس آیت کو کہاں لے کر جا رہے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ مسلمانوں کے مشورے سے اجتماعی (سیاسی، معاشی اور معاشرتی) نظام قائم ہونا چاہیے اور اجتماعی معاملات حل ہونے چاہئیں تو اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کے دین کے مطابق اجتماعی نظام قائم ہونا چاہیے۔ لہذا اکثر اسرار احمدؒ نے یا مولانا مودودیؒ نے یا علامہ یوسف القرضاویؒ نے اپنی طرف سے کوئی نیا فلسفہ ایجاد نہیں کر لیا بلکہ اقامت دین کی جدوجہد اسلاف کے نزدیک بھی فرض تھی۔ دین کا اصول ہے کہ (علا یتھ الواجب الا به فهو واجب) ”کسی فرض اور واجب کو ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی شرط ہے تو وہ بھی فرض شمار ہوگی۔ نماز ادا کرنے کے لیے وضو شرط ہے، لہذا وضو کرنا بھی فرائض میں شمار ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنی ہے، چور کو سزا دینی ہے، قاتل سے قصاص لینا ہے تو اس کے

لیے امام یا خلیفہ کا مقرر کیا جانا بھی فرض ہے۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں نہیں پڑھیں پڑھائیں، صرف انفرادی اصلاح پر زور نہیں دیا بلکہ اجتماعی سطح پر اسلام کو بطور نظام قائم کیا، اس کے لیے جنگیں لڑیں، جہاد کیا، پیٹ پر ہتھ باندھے، طائف اور احد میں اپنا بیو پیش کیا، اپنے صحابہؓ کی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ کیا یہ سب ہمارے لیے حجت نہیں ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر قرآن کی کسی کو سمجھ ہے؟ اقبال نے کیا خوب کہا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آج ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین سے دور ہیں، اللہ کا دین اجتماعی سطح پر یکممل طور پر نافذ نہیں۔ یہی پاکستانیوں کا بھی مسئلہ ہے۔ 14 اگست کو ہم باجے بجائیں گے، سڑکیں ہلک کریں گے، آتش بازی ریاستی ادارے کر رہے ہیں لیکن جس مقصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا وہ کسی کو یاد نہیں ہے۔ سب سے اہم دینی فریضہ کو ہم بھلا بیٹھے، اسی وجہ سے آج اللہ کی مدد ہمارے شامل حال نہیں ہے، ملک سودی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، ہر شہر میں قتل و غارت گری اپنے عروج پر ہے، بچے اور بچیاں قتل ہو رہی ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایک طرف مہنگائی اور غربت کی وجہ سے غریب خود کشیاں کر رہے ہیں اور دوسری طرف اشرافیہ کی عیاشیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ سود، فحاشی، بے حیائی، اخلاقی زوال اپنے عروج پر ہے۔ کیا لاکھوں لوگوں نے پاکستان کی طرف اسی لیے ہجرت کی تھی؟ کیا ہمارے اسلاف نے اس لیے قربانیاں پیش کی تھیں؟

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
بزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

راہ نجات اسی میں ہے کہ ہم دین کی طرف لوٹیں، فرقہ پرستی اور مسلک پرستی سے نظلیں اور دین کے اجتماعی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ یہ ہم سب پر فرض ہے۔ اگر ہم اس فرض کو ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہماری مدد کرے گا اور آخرت میں بھی ہم نجات پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



اُمتِ مسلمہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ (شیخ الاسلام)

باطل قوتیں پاکستان اور افغانستان کے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتیں ہیں۔ (سراج الحق)

دینی جماعتیں اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے تیار ہونا چاہئیں۔ (مولانا عبدالرشید)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ (ڈاکٹر عارف رشید)

اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے دینی راستہ اپنانا جس سے ملنے کی سوجھ بوجھ حاصل ہو سکتی ہے۔ (رضا الحق)

قرآن آڈیو ریم لائبریری میں "اُمتِ مسلمہ کی حالت زار اور راہِ نجات" کے عنوان سے تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام سیمینار

کی جدوجہد کا مرکز جو قرآن تھا۔ چنانچہ ان کی قرآنی تحریک کے نتیجے میں اس وقت تین سلسلے چل رہے ہیں۔ ایک رجوع القرآن کو رمز کا سلسلہ جس سے ایسے افراد تیار ہوتے ہیں جو تعلیم و تعلم قرآن کا کام کرتے ہیں۔ دوسرا ہر سال رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ جو پورے پاکستان میں قرآن کے پیغام کو پھیلانے کا باعث ہے۔ اور تیسری تنظیمِ اسلامی جو اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروفِ عمل ہے۔

جماعتِ اسلامی کے سابق امیر محترم سراج الحق نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی تحریک پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے شروع کی تھی تاکہ انسان کو اخروی فلاح حاصل ہو جائے۔ جو لوگ بھی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی طرح قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، موت اُن کو فی نہیں کر سکتی بلکہ ایسے لوگ مخلوقِ خدا کی دعاؤں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خواب تھا کہ قرآن کے پیغام کو پورے عالم تک پہنچایا جائے۔ اس وقت دنیا میں 57 مسلم ممالک ہیں لیکن اُمتی وہ ہوتا ہے جو قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ موجودہ دہائی نظام میں اُمتِ مسلمہ کے لیے اللہ کی بندگی کرنا مشکل بنا دیا گیا ہے کیونکہ اس نظام کے بڑے ادارے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ڈیولپمنٹ اور دنیا کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر نہ کوئی تجارت کر سکتا ہے، نہ علاج کرا سکتا ہے، نہ انصاف لے سکتا ہے حتیٰ کہ دعا بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کسی عرب ملک میں اسرائیل کے خلاف اللہ سے دعا کریں گے تو آپ کو اٹھایا جائے گا۔ لیکن دوسری طرف اُمتِ مسلمہ میں بیداری کی تحریک بھی شروع ہو چکی ہے۔ انخوان المسلمون، جماعتِ اسلامی اور تنظیمِ اسلامی جیسی تنظیمیں مسلمانوں کو

یہ زوال آج تک جاری ہے۔ اس وقت دنیا میں مادہ پرستی کا دور ہے اور یہودیوں نے دنیا کی معیشت کو اپنے کنٹرول میں کیا ہوا ہے۔ اس وقت دنیا میں سیکولرزم کا دور رائج ہے۔ مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کر کے باطل قوتوں نے اپنا ذہنی غلام بنایا ہوا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو زوال سے نکالنے کے لیے وہی راستہ اپنانا ہوگا جس سے پہلی مرتبہ عروج حاصل ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر قرآن کو امام بنانا ہوگا اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھنا ہوگا۔ تقویٰ، عبادتِ رب، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شہادتِ علی الناس

مرتب: مرتضیٰ احمد اعوان

اور اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جب تک ہم اپنے دینی فرائض کو ادا نہیں کریں گے ہماری حالت نہیں بدلے گی۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر محترم ڈاکٹر عارف رشید نے اپنے خطاب میں کہا کہ بانی تنظیمِ اسلامی اور صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1966ء میں تحریکِ رجوع الی القرآن کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ 1972ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی اور 1975ء میں تنظیمِ اسلامی کی بنیاد رکھی۔ انجمن خدام القرآن کی ذیلی شاخیں پورے پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خود فرماتے تھے کہ میری زندگی کا مقصد صرف اسلام کی دعوت و تبلیغ اور دوسرے قرآن نہیں بلکہ ایک ایسی تنظیم قائم کرنا ہے جو اسلام کے عالمی غلبے کے لیے جدوجہد کرے گی۔ ان کی ان تمام مساعی کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو قرآن سے جوڑا جائے اور اُن میں دینی ذمہ داریوں کا احساس اجاگر کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب

تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام "امتِ مسلمہ کی حالت زار اور راہِ نجات" کے عنوان سے مہم جاری ہے جس کا مقصد اُمتِ مسلمہ کو اس کے حقیقی مقام، ذمہ داری اور موجودہ حالات کے اسباب سے آگاہ کرنا اور قرآن و سنت کی طرف اجتماعی رجوع کی دعوت دینا ہے۔ اسی مہم کے سلسلے میں تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام 19 اگست 2026ء کو قرآن آڈیو ریم لائبریری میں "اُمتِ مسلمہ کی حالت زار اور راہِ نجات" کے عنوان سے ایک مرکزی سیمینار منعقد کیا جس کی صدارت امیر تنظیمِ اسلامی محترم شیخ الدین فصیح نے کی۔ اس سیمینار میں جماعتِ اسلامی کے سابق امیر محترم سراج الحق اور گوجرانوالہ سے معروف عالمِ دین اور ماہنامہ اشریعہ کے مدیر مولانا زاہد الراشدی نے بطور مہمان مقررین شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے دس بجے تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ قرآن اکیڈمی، لاہور کی مسجد کے امام محترم قاری احمد ہاشمی نے تلاوتِ کلامِ پاک کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد محترم طیب رسول نے نعتِ رسول مقبول پیش کی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب فاروق گیلانی نے انجام دیے۔

تنظیمِ اسلامی کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت محترم رضا الحق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ کو دیکھا جائے تو دور نبوی اور خلافتِ راشدہ اس کے بہترین ادوار ہیں جن میں مسلمانوں کا تین براعظموں پر غلبہ رہا۔ پھر دورِ ملوکیت میں مسلمان رفتہ رفتہ زوال کا شکار ہوئے۔ لیکن عمومی طور پر اسلام دنیا پر غالب رہا۔ خلافتِ عثمانیہ کے دور میں بھی مسلمانوں کا رعب و ہدبہ باطل طاقتوں پر قائم تھا۔ حتیٰ کہ خلافتِ عثمانیہ جب کمزور تھی تو اس وقت بھی انہوں نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد نہیں ہونے دیا۔ البتہ پچھلی صدی میں جب خلافت کا خاتمہ ہوا تو پھر اُمتِ مسلمہ کا زوال شروع ہوا اور

دوبارہ قرآن سے جوڑنے کی جدوجہد کر رہی ہیں۔ دوسری طرف باطل قوتیں پاکستان اور افغانستان کے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس فساد کو کم کر سکیں۔ باطل قوتیں مسلمانوں پر تسلط چاہتی ہیں۔ اس تسلط سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اسلامی تحریکیں مل کر لوگوں کے دلوں تک قرآن کے پیغام کو پہنچائیں۔ پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کا حالیہ ”مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ“ خوش آئند ہے۔ لیکن ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ معاہدہ فلسطین کی آزادی اور اسرائیل کے خلاف اقدام کرے۔ اور ایران سمیت دوسرے مسلمان ممالک کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

معروف عالم دین محترم مولانا زاہد الراشدی نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے جس مشن کا آغاز کیا تھا اس کے تسلسل کو برقرار رکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے اور اس حوالے سے تنظیم اسلامی مبارک باد کی مستحق ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کوئی سپتیر پارٹس کی دکان نہیں بلکہ ایک پورا عظیم ہے اور ہم نے پورے کے پورے اسلام پر عمل کرنا ہے تبھی ہمیں دنیا میں دوبارہ عروج ملے گا۔ اس وقت دنیا بھر کی طاغوتی قوتیں مسلمانوں کو زیر رکھنے کے لیے ہر قسم کا شیطانی حربہ استعمال کر رہی ہیں۔ طاغوتی قوتیں وہی مطالبے کر رہی ہیں جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کیے تھے کہ مسلمان اپنے عقائد، توحید، رسالت اور ختم نبوت پر ہم سے مصالحت کر لیں اور ہماری دجالی تہذیب کے زیر اثر رہ کر اپنی زندگی گزاریں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتیں اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ جس طرح مختلف معاملات پر دینی جماعتیں اور علماء کرام اکٹھے ہو جاتے ہیں اسی طرح انہیں اس اتحاد کو برقرار بھی رکھنا چاہیے۔ اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے عوام کو صحیح سمت فراہم کی جائے اور نئی نسل کو اپنی تاریخ سے متعارف کرانا چاہیے۔

امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سیمینار کا ایک اہم مقصد مختلف دینی شخصیات سے استفادہ کرنا اور فکر کے مختلف گوشوں کو سمجھنا بھی ہے۔ کبھی کبھی علمی انداز میں اختلاف رائے بھی سامنے آتا ہے، جس سے ہمیں کچھ نیا سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ جنرل مشرف کے دور میں قنوت نازلہ کا انگریزی ترجمہ جب بین الاقوامی میڈیا میں نشر ہوا تو یہ اعتراض سامنے آیا کہ مسلمان اتنی سخت بدعائیں کرتے ہیں۔ نتیجتاً بعض مساجد میں قنوت نازلہ

کے اہتمام سے بھی روکا گیا۔ یہ غلامی کی ایک صورت ہے کہ ہماری دعاؤں تک پر پابندی عائد ہو جائے۔ اللہ نے ہمیں غلام بننے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہمیں کھڑا ہونے کے لیے پیدا کیا ہے۔ آج اُمت کے زوال کے اسباب میں شعوری اور حقیقی ایمان کا کمزور ہونا دنیا کی محبت میں ڈوب جانا، باہمی تفرقہ اور فرقہ واریت، غلامانہ ذہنیت اور دجالی تہذیب سے مرعوبیت سب شامل ہیں لیکن اُمت مسلمہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا اور یہ تقدیروں کو بدل دینے والا کلام ہے۔ جب تک اُمت نے قرآن کو تھامے رکھا اللہ نے اُمت کو عروج اور غلبہ عطا فرمایا لیکن جب اُمت نے قرآن کو چھوڑ دیا تو ہم مغلوب ہو گئے۔ اس وقت ہمارے پاس دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی ایک خطہ زمین موجود نہیں جس کے بارے میں ہم کہہ سکیں: ”آؤ، دیکھو! یہ اللہ کے دین کا عملی نمونہ ہے۔“ اگر ہم عالمی سطح پر اسلامی نظام چاہتے ہیں مگر اپنی ذاتی زندگی میں جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، رشوت، سود، حق تلفی اور دیگر برائیوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو پھر یہ کیسا

انقلاب ہوگا؟ اگر ہم پوری دنیا میں اسلام کی سر بلندی چاہتے ہیں مگر اپنے گھر میں قرآن کی تعلیمات نافذ کرنے، نماز کی پابندی، حقوق العباد کی ادائیگی اور حرام سے بچنے کے لیے تیار نہیں تو مسئلہ عالمی نظام سے پہلے ہماری اپنی ذات کا ہے۔ ہم اللہ کی نصرت چاہتے ہیں لیکن اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی زندگی میں کتنی جگہ رکھتے ہیں؟ ہم اُمت کی سر بلندی تو چاہتے ہیں لیکن اپنی ذات پر اللہ کی حاکمیت قبول کرنے کے لیے کس حد تک تیار ہیں؟ ہم فلسطین کی آزادی کی بات کرتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں عدل، دیانت اور امانت کا کتنا خیال رکھتے ہیں؟ جب ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے یعنی اقامت دین کی جدوجہد میں تن من و جان لگا دیں گے تو اللہ کی مدد بھی ہمارے شامل حال ہوگی۔ جس کو اللہ کی مدد حاصل ہو جائے اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہود گریٹر اسرائیل بنانے کے منصوبے پر عمل کر رہے ہیں تو ہم گریٹر فرما سان کی طرف بڑھنے کی کوشش کیوں نہیں کر سکتے۔ آخر میں جناب سراج الحق کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

گوشہ انسدادِ سود

پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات

(گزشتہ سے پیوستہ)

انسدادِ سود کے لیے عملی اقدامات

- (7) تجارتی بینکوں کے لیے اجازت ہو کہ وہ ریکل انوسٹمنٹ اور ریڈنگ وغیرہ کے شعبوں میں بھی سرمایہ کاری کر سکیں۔ اس میں نہ کوئی شرعی قباحت آئے آتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسری مشکل ہے۔
 - (8) سٹاک مارکیٹ میں سٹ بازی کی صریح ممانعت ہو اور حصص کی صرف حقیقی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے۔
 - (9) بینکوں کے آڈٹ کا شرعی اعتبار سے ایک اضافی محکمہ نظام قائم کیا جائے۔
 - (10) ”قرض اتارو اور ملک سنو اور ممیم“ میں سے پہلی دو صورتوں کو برقرار رکھتے ہوئے تیسری یعنی ”بچت اکاؤنٹ“ کو فوراً ختم کیا جائے اور اس کی بجائے زکوٰۃ وصول کی جائے جس کے ضمن میں یہ ضمانت دی جائے کہ یہ صرف اور صرف اور برادر است ملکی قرضے کی ادائیگی میں صرف ہوگی!
- ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ٦٩)
- (شائع شدہ: ہفت روزہ ندائے خلافت، شمارہ 42، سال 2015ء)

(جاری ہے)

بحوالہ: ”انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال“ از حافظ عاقل وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 1581 دن گزر چکے!

قرآن کے ذریعے تہذیب کیر کجیے!

حافظ عاکف سعید رحمۃ اللہ علیہ
(سابق امیر تنظیم اسلامی پاکستان)

قرآن حکیم میں جب جنت کا ذکر آتا ہے تو ساتھ ہی جنت کے لیے کوالیفیکیشن بھی مذکور ہوتی ہے۔ کوالیفیکیشن کے حوالے بالعموم ایمان اور عمل صالح کا ذکر ہوتا ہے۔ عمل صالح کیا ہے؟

یہ درحقیقت ایمان اور بندگی رب کے تقاضوں کی ادائیگی ہے، جو قرآن و سنت میں واضح کیے گئے ہیں۔ یعنی آدمی کون سے کام انجام دے اور کن کاموں سے اجتناب کرے۔ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرے گا، وہ جنت میں جائے گا۔ جنت کی کوالیفیکیشن کے لیے دوسرا لفظ ”متقین“ آتا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ جنت متقین کے لیے ہے۔ اگر دیکھا جائے تو متقی کے لفظ میں بھی ایمان اور عمل صالح دونوں جمع ہیں۔ اس لیے کہ متقی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کو رب مان کر اُس کے دیئے گئے احکامات پر چلتا اور اُس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسا کام نہ کر لیں جس سے میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے۔ اُسے اس بات پر پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، لہذا وہ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی اور حرام کاموں سے بچاتا ہے۔ سورہ ق کی آیات 34، 35 میں فرمایا گیا کہ اہل تقویٰ سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، اور اُن کے لیے وہاں ہر طرح کی نعمت ہوگی، ہر وہ چیز ہوگی جس کی انہیں چاہت ہوگی۔ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی کہ جو دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی، نہ کسی کان نے اُن کا ذکر سنا ہوگا اور نہ کسی ذہن کی اُن تک رسائی ہی ہوگی۔ ان تمام تر نعمتوں سے بڑھ کر نعمت دیدار الہی ہوگی۔ اہل جنت دنیا میں بغیر دیکھے رب پر ایمان لائے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار کی نعمت سے فیض یاب کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سورہ ق میں فرماتا ہے: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشْدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّخْبُوءٍ﴾

”اور کتنی ہی قوموں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھیں سوانہوں نے ملکوں کے ملک فتح کیے! پھر کیا وہ کوئی جائے فرار پاسکے؟“

مندرجہ بالا آیت میں اہل مکہ کو حق کی مخالفت کی پاداش میں دنیوی عذاب کے حوالے سے متنبہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں براہ راست خطاب اہل مکہ سے ہے۔ قریش مکہ خوب جانتے تھے کہ اُن سے پہلے بڑے بڑے فرعون اور نمرود گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتیں نیست و نابود ہو چکی ہیں، جن کے ہاں بہت بڑی عسکری قوت اور افواج قاہرہ موجود تھیں۔ اُن کی قوت اور گرفت کا یہ عالم تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے تو وہ قوم اُن کے استبدادی قبضے سے نہ نکل سکتی تھی۔ لیکن ان کی تمام تر قوت و طاقت اللہ کے مقابلے میں اُن کے کسی کام نہ آئی۔ جب حق کی مخالفت اور اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں اُن پر عذاب آیا تو وہ شہروں کو کریدنے لگے کہ شاید انہیں کوئی جائے پناہ مل سکے، مگر انہیں کہیں پناہ نہ مل سکی۔ ان کی طاقت و قوت اور کبر کے بت پاش پاش ہو گئے اور انہیں نیست و نابود ہونا پڑا۔ آج ان قوموں کے محض کھنڈر ہی باقی ہیں۔ قریش ان قوموں اور اُن کے احوال سے واقف تھے۔ اُن کے تجارتی قافلے جب شام کی طرف جاتے تو اپنی آنکھوں سے ان کی دیران بستیوں اور کھنڈر دیکھتے۔ وہ قوم لوط، قوم شمو و غیرہ کے تاریخی مقامات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ یہ کھنڈر اور تاریخی آثار اس بات کے گواہ تھے کہ یہاں کسی زمانے میں بڑی بڑی تہذیبیں موجود تھیں مگر جب ان لوگوں نے آسمانی ہدایت کی نفی کی تو نشانِ عبرت بنا دیئے گئے۔ قرآن کا انداز خطابی ہے۔ وہ کفار مکہ اور رہتی دنیا تک کے منکرین حق پر یہ واضح کرتا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے اگر اتنی طاقتور اقوام اور تہذیبیں عذاب الہی سے نہ نکل سکیں، تو تم اللہ کی نافرمانی اور اُس سے بغاوت کا راستہ اختیار کر کے عذاب سے کیونکر بچ سکو گے۔

آگے فرمایا:

﴿إِنَّ فِي خُلُوكِ لَذِي كُرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ ”یقیناً اس میں یاد دہانی ہے اُس کے لیے جس کا دل ہو یا جو توجہ سے سنے حاضر ہو کر۔“ آیات قرآنی اور اُن میں بیان کردہ یہ واقعات نصیحت اور عبرت کا ذریعہ ہیں۔ ان میں سبق آموزی کا بہت بڑا سامان ہے، مگر اُن لوگوں کے لیے جو دل بیدار رکھتے ہوں، یا جو کان لگا کر حق بات کو سنتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں قلب بیدار کی صورت میں ایک فیکلٹی رکھ دی ہے، جو اُسے حقیقت کی یاد دہانی کراتی ہے۔ اگر دل زندہ و بیدار اور نور فطرت سلامت ہو تو تھوڑی سی توجہ دلانے پر بھی انسان کو حقیقت یاد آ جاتی ہے اور اُس کا باطن معرفت الہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی دعوت سنی تو ایک لمحہ بھی تاخیر نہ کی، فوراً ایمان لے آئے۔ ہاں جس کا دل ہی رنگ آلود ہو جائے پھر اس میں قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک دھبہ پڑ جاتا ہے۔ لیکن جب توبہ کرتا ہے تو یہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ کی بجائے مزید گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک اور دھبہ پڑ جاتا ہے، تا آنکہ اُس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ پہلے پہل دل گناہ و نافرمانی پر انسان کو نوکتا ہے مگر جب آدمی خمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا اور بار بار اُسے مسترد کرتا ہے تو دل مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر اُس پر کوئی موعظت اثر نہیں کرتی۔ قرآن حکیم جیسی موعظت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا واعظ کون ہو سکتا ہے، مگر اس کے باوجود ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، اور دوسرے سردارانِ قریش ایمان نہ لائے، کیونکہ اُن کے دل مردہ ہو گئے تھے اور نور فطرت سلامت نہ رہا تھا۔

قرآن کی نعمت اور یاد دہانی ایک تو دل بیدار رکھنے والوں کے لیے نافع ہے، دوسرے اُن لوگوں کے لیے مفید ہے جو دعوت حق کو پوری توجہ اور دھیان سے سنیں۔ اس انداز سے سننے کے نتیجے میں آدمی کو اندر سے گواہی مل جاتی ہے کہ جو دعوت پیش کی جا رہی ہے وہ حق ہے۔ اس بات میں ہمارے لیے خاص طور پر بشارت کا پہلو موجود ہے۔ ہمارے دلوں کی نہ جانے کیا کیفیت ہو گی۔ کیا خبر ان میں بیداری برقرار رہ گئی ہو یا نہ ہوتا ہم

اگر ہم حق بات کو توجہ سے سنیں تو امید ہے کہ ہدایت قرآنی سے مستفید ہوں گے، اس کے برعکس اگر کوئی حق بات سننے ہی کا روادار نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اُس نے خود ہی اپنی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت کر لی ہے۔ ایسے شخص کو قرآنی ہدایت سے فائدہ نہ ہوگا۔

آگے ارض و سموات کی تخلیق کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَوَمَا أَشَدُّا مِنْ لُغُوبٍ ۝﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کیا چھ دنوں میں۔ اور ہم پر کوئی تھکان طاری نہیں ہوئی۔“

ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تاریخ انسانی میں آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ زمین و آسمان کو اللہ نے نہیں، ہم نے بنایا ہے۔ کفار مکہ بھی اللہ کو کائنات کا خالق تسلیم کرتے تھے۔ یہاں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ چھ دنوں سے مراد ہمارے دن نہیں بلکہ چھ ادوار ہیں۔ جیسے ایک درخت کے بیج کو کامل درخت بننے میں وقت لگتا ہے، اسی طرح کائنات کی تخلیق بھی درجہ بدرجہ اپنی پیچیدگی کو پہنچتی۔ یہ بھی واضح فرمایا کہ کائنات کی چھ دنوں میں تخلیق سے اللہ پر کوئی تھکان طاری نہ ہوئی، اور یوں اُس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا جو تحریف شدہ تواریات نے پھیلائی تھی۔ تواریات میں ہے کہ اللہ نے چھ دنوں میں زمین و آسمان پیدا کئے اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسی سے ہفتہ وار تعطیل کا تصور اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی چھ دن کام اور ساتویں دن آرام کرو۔ قرآن مجید اس اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ وہ سابقہ کتب میں تحریف کے نتیجے میں راہ پا جانے والے غلط تصورات کی نفی کر کے اصل حقائق کو واضح کرتا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿فَاضْبِذْ عَلَىٰ مَا يَأْمُرُكَ﴾ (تو اے نبی ﷺ) آپ صبر کیجیے اس پر جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔“

یعنی کفار دعوت حق کی مخالفت میں آپ کے متعلق سخت سے سخت باتیں کہتے ہیں، آپ اُن پر صبر کیجئے۔ اپنا کام جاری رکھئے، حق بات کہتے رہیے۔ ایک دن آئے گا اللہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ یہ ہدایت حضور ﷺ کے توسط سے آپ کے تمام امتیوں کے لیے بھی ہے جو آپ کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ انہیں چاہئے کہ دعوت و اقامت دین کے نبوی مشن کو آگے بڑھانے میں جو مشکلات اور مصائب پیش آئیں اُن پر صبر کریں، مخالفتوں کی پروا نہ کریں اور اپنا

سفر جاری رکھیں۔

آگے فرمایا:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝﴾ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے سورج کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل۔ اور رات کے حصوں میں بھی اس کی تسبیح بیان کرو۔ اور سجدوں (نمازوں) کے بعد بھی۔“

تسبیح و تحمید معرفت الہی کا ذریعہ ہے۔ اس سے معرفت کی تکمیل ہوتی ہے۔ آپ سے فرمایا کہ تین اوقات میں خصوصی طور پر تسبیح و تحمید کا اہتمام کیجئے، یعنی طلوع آفتاب سے پہلے، غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے ایک حصے میں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں آپ پر تین ہی نمازیں فرض تھیں، فجر، عصر اور عشاء۔ بہر حال یہ تین وقت خصوصی طور پر قبولیت کے ہیں بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں اوقات نماز کی طرف اشارہ ہے۔ قبل الطلوع سے نماز فجر، قبل الغروب، سے ظہر عصر اور من اللیل سے مغرب و عشاء مراد ہیں۔ (واللہ اعلم) قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم تو جا بجا آیا ہے مگر نمازوں کے اس نظام کا اوقات کی ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں آیا۔ چونکہ نمازوں کا یہ نظام حدیث و سنت رسول ﷺ سے ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے دیکھتے ہو۔ تو نمازوں کا یہ نظام آپ کے اسوہ اور سنت و سیرت سے ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں محض اس کے اشارات آئے ہیں۔ سجدوں کے بعد تسبیح کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز ادا کر لینے کے بعد بھی کثرت سے تسبیح و تحمید کی جائے۔ چنانچہ فرض نمازوں کے بعد آپ کی معمولات میں بہت سے اذکار شامل تھے۔ جیسے اللہ اکبر، استغفر اللہ، فرائض کے بعد دعائیں اور تسبیح فاطمہ وغیرہ۔ ہمیں ان اذکار مسنونہ کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔

آگے بعث بعد الموت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادُوا الْمَتَاوِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝﴾ اور کان لگائے رکھو جس دن پکارنے والا پکارے گا بہت قریب کی جگہ سے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جب اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہے گا تو اُس کے حکم سے ایک فرشتہ قریب کی جگہ سے صورتوں میں پھونکے گا۔ ”قریب کی جگہ“ کے حوالے سے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد

بیت المقدس کی چٹان ہے۔ اس چٹان پر سے صورتیں پھونکا جائے گا صورت کی آواز سب لوگ سنیں گے۔ اس رائے میں کتنا وزن ہے، یہ معلوم نہیں، تاہم یہ واضح ہے کہ صورت کی آواز ہر آدمی کو بالکل قریب محسوس ہوگی۔ اُسے سن کر وہ یہ محسوس کرے گا گویا میرے سر پر سے صورت پھونکا جا رہا ہے۔ یہ بات آج باسانی سمجھ آ سکتی ہے۔ آج الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ایک خبر دنیا کے ایک کونے سے نشر ہوتی ہے اور بیک وقت پوری دنیا میں سنی جاتی ہے۔ ٹی وی پر دنیا کے کسی بھی کونے میں پیش آنے والے واقعہ کی رپورٹ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے یوں دیکھتے ہیں، گویا وہ واقعہ اُن کے سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ ﴿يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمَ الْخُرُوجِ ۝﴾ جس دن کہ وہ سنیں گے ایک چٹھا زحٰق کے ساتھ۔ وہ ہوگا نکلنے کا دن۔“

جب لوگ یہ چٹھا سنیں گے تو قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ ٹخہ ثانی ہے۔ اس سے پہلے ٹخہ اولیٰ وہ ہوگا جس سے ہر ذی حیات پر موت طاری ہو جائے گی۔ ٹخہ ثانی پر جس کا یہاں ذکر ہے، سب لوگ جی انھیں گے اور قبروں سے نکل رہے ہوں گے۔ یہ ہے نکلنے کا دن۔ اس نکلنے کی کیفیت برسات کے موسم میں پتنگوں کے زمین سے نکلنے کے مشابہ ہوگی۔

آگے فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ ۚ وَاللَّيْلُ الْمَصْدُورُ ۝ يَوْمَ نَشْفَعُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ ۚ سِرًّا عَاطَ ذَٰلِكَ حَسْبُ ۚ عَلَيْنَا يَسِيرُ ۝﴾ ”یقیناً ہم ہی زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی موت وارد کرتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف (سب کو) پلٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین اُن پر سے پھٹ جائے گی اور وہ تیزی سے نکل پڑیں گے۔ یہ (سب کا) جمع کر دینا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔“

یعنی موت و حیات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں کوئی کتنا بھی جی لے آخر کار اُسے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ انسان کو پہلی بار بھی اللہ نے پیدا کیا دوبارہ بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس دن زمین کی کیفیت یہ ہو گی کہ لوگوں کے اوپر سے پھٹ جائے گی اور وہ اُس میں سے نکل کر یوں دوڑ رہے ہوں گے گویا انہیں کہیں پہنچنے کا ٹارگٹ دیا گیا ہو۔ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ نسل انسانی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا میں آنے والے آخری انسان تک سب کو دوبارہ زندہ کرنا اور اکٹھے کرنا اُس کے

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(6 تا 19 اگست 2026ء)

جمعرات 06 اگست: دن میں مرکزی اسرہ کے اجلاس کی صدارت کی۔ سہ پہر میں شعبہ تعلیم و تربیت اور شام میں شعبہ نظامت کے اجلاسوں کی صدارت کی۔

جمعہ المبارک 07 اگست: دن میں شعبہ رابطہ، قانونی و انتظامی امور کے اجلاس کی صدارت کی۔ نماز جمعہ سے قبل مشیر خصوصی جناب ایوب بیگ مرزا سے ملاقات کی۔

خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا۔ سہ پہر میں ”ماہنامہ میثاق“ سے متعلق اور بعد نماز عصر شعبہ نشر و اشاعت کے اجلاسوں کی صدارت کی۔

ہفتہ 08 اگست: دن میں شعبہ زکوٰۃ و انگریزی اور بعد ازاں چند انتظامی امور کے حوالہ سے اجلاسوں کی صدارت کی۔ بعد نماز مغرب حلقہ لاہور شرقی کے ایک حبیب تنظیم کی دعوت پر ان کے خاندان کے افراد کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے منعقد ہونے والے ایک پروگرام میں ”سچا امتی کون؟“ کے موضوع پر خطاب کیا۔

اتوار 09 اگست: دن میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ملک گیر آگاہی مہم کے حوالہ سے ”اُنتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے موضوع پر قرآن آڈیو ریم، گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہونے والے سیمینار کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ دیا۔ شام میں کراچی روانگی ہوئی۔

منگل 11 اگست: بعد نماز عشاء رہائش گاہ سے متصل مقام پر اہل محلہ کے لیے ماہنامہ خطاب کے حوالہ سے ”اُنتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے موضوع پر خطاب کیا۔

جمعرات 13 اگست: مرکزی اسرہ کے اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔

جمعہ المبارک 14 اگست: خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی میں ارشاد فرمایا۔ بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شرقی کے زیر اہتمام تنظیم اسلامی کی ملک گیر مہم کے حوالہ سے ”اُنتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے موضوع پر عید گاہ گراؤنڈ، گلشن معمار میں خطاب فرمایا۔

ہفتہ 15 اگست: رات کو اسلام آباد روانگی ہوئی۔

اتوار 16 اگست: دن میں تنظیم کے زیر اہتمام ملک گیر مہم کے حوالہ سے ”اُنتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے موضوع پر حلقہ جات اسلام آباد اور پنجاب شمالی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ دیا۔ شام میں چند مدد داران اور بعد ازاں چند رفقاء سے ملاقات ہوئی۔

پیر 17 اگست: دن میں کورنگ ٹاؤن کے علاقہ میں قرآن مرکز میں Youth Meetup کے سلسلہ میں نوجوانوں کی ایک نشست میں شرکاء کے تنظیمی فکر، طریقہ کار، حالات حاضرہ اور نوجوانوں کے مسائل سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے۔ دوپہر میں Rose TV چینل کے دعوت پر ان کے اسٹوڈیو میں ایک انٹرویو ریکارڈ کرایا جس میں حالات حاضرہ، تنظیمی سرگرمیوں اور اتحاد اُمت کے حوالہ سے بھی نکات زیر گفتگو آئے۔ شام میں کراچی روانگی ہوئی۔

بدھ 19 اگست: کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک پوڈ کاسٹر کی دعوت پر ان کے اسٹوڈیو میں پوڈ کاسٹ ریکارڈ کروائی۔ رات کو کراچی سے لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی مصروفیات: نائب امیر صاحب سے مستقل رابطہ ہائیز تنظیمی امور انجام دیئے۔ متفقہ قرآنی نصاب کے حوالہ سے مختلف ذمہ داریاں ادا کیں۔ معمول کی چند ریکارڈنگز کرائیں۔ گھریلو اسرہ کا اہتمام جاری ہے۔ رفقاء و احباب سے تعزیت و عیادت کے حوالہ سے رابطہ رہا۔

لے کوئی مشکل نہیں ہے۔ رب کائنات جو اس قدر وسیع کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ ایک ہی میدان میں لوگوں کو لا کھڑا کرے گا اور پھر ان سے حساب کتاب ہوگا۔ آگے فرمایا:

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ بِمُحِيطٍ بِذَلِكَ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْنِ﴾

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اور آپ ان پر کوئی زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ پس آپ تذکیر کرتے رہیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔“

یعنی ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ منکرین حق، یہ شرکین، اللہ اور نبی کی شان میں گستاخیاں کرتے اور قیامت کے حوالے سے طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں۔

ان کی زبانیں، اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عقیدہ آخرت کے حوالے سے جو ہر اگتی ہیں، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ اے نبی، آپ کا کام تو ان کو قرآن کے ذریعے تذکیر و یاد دہانی ہے۔ آپ ان کو زبردستی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ آپ قرآن کے ذریعے انہیں یاد دہانی کراتے رہئے۔ جو بھی میری وعید سے ڈرتا ہے اُسے یہ تذکیر قائم دے گی۔ تذکیر کا مؤثر ذریعہ میرا یہ کلام ہے۔ بد قسمتی سے آج ہم نے قرآن کو چھوڑا رکھا ہے، اسی لیے ذلیل و خوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم اور اس کی شرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی توجہات مرکوز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دعائے صحت کی اپیل

حلقہ کراچی وسطی، قرآن مرکز جوہر 1 کے محترم رفیق محترم سید صباحت علی کے بڑے صاحبزادے کی طبیعت شدید ماساڑ ہے۔

برائے بیمار پری: 0345-2109055

اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفاء کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی بیماروں کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اللَّهُمَّ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

اُمت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات

حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

شوکت اللہ شاہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نہیں بلکہ اس وقت

تم بہت زیادہ ہو گے۔“

یہ جواب اُمت کے لیے ایک بڑا سبق ہے۔ اسلام نے کبھی صرف تعداد پر اعتماد کرنا نہیں سکھایا بلکہ ایمان، کردار، علم، اخلاص اور تقویٰ کو اصل قوت قرار دیا ہے۔

بدر میں 313 اہل ایمان نے ہزار کے لشکر کو شکست دی، کیونکہ ان کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے۔

تیسری حقیقت: سیلاب کا جھاگ

”تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے۔“

سیلاب کا جھاگ بہت زیادہ ہوتا ہے، مگر اس کی کوئی حقیقت، وزن یا استحکام نہیں ہوتا۔

اسی طرح وہ اُمت جو قرآن سے دور، اخلاق سے خالی، علم سے محروم، باہمی اختلافات میں جٹلا اور دنیا پرست ہو جائے، وہ تعداد میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کی ہیبت باقی نہیں رہتی۔

چوتھی حقیقت: رعب ختم ہو جانا

”اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا۔“

جب مسلمان اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے دلوں سے اُن کا رعب نکال دیتا ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

”اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“ (حمد: 7)

پانچویں حقیقت: اصل بیماری ”وہن“

صحابہؓ نے پوچھا: ”وہن کیا چیز ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔“

یہی اس حدیث کا مرکزی نکتہ ہے۔

دنیا کی محبت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تجارت، ملازمت یا زراعت نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت پر غالب آجائے، مال و منصب مقصد زندگی بن جائیں، حق قربان ہو جائے اور دین صرف رسم بن کر رہ جائے۔ اور ”موت سے نفرت“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں کسی قربانی کے لیے تیار نہ رہے، حق بات

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے زمانے کی ہدایت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی اُمت کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی بہت سی احادیث ایسی ہیں جن میں آئندہ پیش آنے والے حالات کی خبر دی گئی ہے۔ ان ہی میں سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے، جسے محدثین نے اُمت مسلمہ کے زوال اور اس کے علاج کے حوالے سے اس حدیث کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اگر مسلمان اس حدیث کو سمجھ لیں تو انہیں اپنے زوال کا سبب بھی معلوم ہو جائے گا اور عزت و سربلندی کا راستہ بھی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ دوسری قومیں تمہارے خلاف اس طرح جمع ہو جائیں جیسے کھانے والے اپنے دسترخوان پر جمع ہوتے ہیں۔“ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت زیادہ ہو گے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند بے وقعت ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں الوہن ڈال دے گا۔“ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کی محبت اور موت کو نا پسند کرنا۔“ (سنن ابی داؤد،)

یہ حدیث بظاہر چند جملوں پر مشتمل ہے، لیکن حقیقت میں اُمت مسلمہ کے زوال اور عروج کا مکمل منشور ہے۔

پہلی حقیقت: دشمنوں کا متحد ہو جانا

آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ وقت قریب ہے کہ جب مختلف قومیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جائیں گی۔“ حیرت کی بات یہ ہے کہ جن قوموں کے مفادات آپس میں متضاد ہوں گے، وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گی۔

یہ اس بات کی علامت ہے کہ جب کوئی اُمت اپنے اصل مشن سے غافل ہو جاتی ہے تو دوسروں کے لیے آسان شکار بن جاتی ہے۔

دوسری حقیقت: تعداد نہیں، معیار اہم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً سوال کیا کہ کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟

کہنے سے ڈرے اور اپنی آسائش کو دین پر ترجیح دے۔

اُمت کی موجودہ حالت

آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان وسائل کے باوجود دوسروں کے محتاج ہیں، آبادی کے باوجود منتشر ہیں، اور قرآن رکھنے کے باوجود اس کی تعلیمات سے دور ہیں۔ یہ حدیث ہمیں دوسروں کو الزام دینے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

راہ نجات

اس حدیث کی روشنی میں اُمت کی نجات کے بنیادی ستون یہ ہیں:

ایمان کی تجدید اور اللہ سے مضبوط تعلق۔

قرآن و سنت کی طرف مکمل رجوع اور ان کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل۔

ترکیہ نفس اور دنیا کی محبت سے دلوں کو پاک کرنا۔ علم، حکمت اور صحیح دینی فہم کو عام کرنا۔

اتحاد اُمت اور فرقہ واریت و تعصبات سے اجتناب۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرنا۔

دعوت دین اور اقلیت دین کے لیے منظم اور پرامن جدوجہد کرنا، تاکہ معاشرہ عدل، امانت، شوریٰ اور اللہ کی ہدایت کے مطابق استوار ہو۔

صبر، استقامت، ایثار اور قربانی کو اپنی اجتماعی زندگی کا شعار بنانا۔

حاصل مطالعہ

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اُمت کا زوال بے پروائی سازشوں سے پہلے اندرونی کمزوریوں سے شروع ہوتا ہے، اور اس کا عروج بھی باہر سے نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ، اصلاح نفس اور اللہ کے دین سے وفاداری سے شروع ہوتا ہے۔ جب مسلمان اپنی فتنہ داریوں کو پہچانیں گے، قرآن و سنت کو اپنی زندگی کا محور بنائیں گے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اخلاص کے ساتھ کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت دوبارہ ان کے شامل حال ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی محبت اور ”وہن“ کی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ قرآن و سنت پر کامل استقامت عطا فرمائے، اُمت مسلمہ کو اتحاد، عزت اور صحیح دینی بصیرت عطا فرمائے، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے بارے میں فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (القصاص) اور انجام کار متقین ہی کے لیے ہے۔



سیرت رسول ﷺ سے دوری: وجوہات اور اثرات

انجم راہی

دھو بیٹھا۔ دوسری طرف ماذیت زدہ لوگوں نے تو خود کو کسی طرح مستشرقین کے شبہات سے بچالیا لیکن عشق رسول اور سیرت کے روحانی پہلو کو فرسودہ اور شخصیت پرستی تصور کرنے لگے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت سے قلبی اور روحانی لگاؤ ختم سا ہو گیا، صرف خشک عقیدہ و عمل باقی رہ گیا اور خیال رہے کہ جو عمل اور عقیدہ اپنی روحانی حیثیت کھودے وہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ پاتا اس لیے دھیرے دھیرے مسلمانوں سے بقیہ عمل بھی دور ہو گیا اور نتیجہ سیرت طیبہ سے لا تعلقی تک چاہنچا اور یوں ہمارا معاشرہ، سیرت کے حسن و جمال سے خالی ہونے لگا۔

3۔ رول ماڈل کی کمی: رول ماڈل کی موجودگی جو جوانوں کے لیے ایک سمت فراہم کرتی ہے اور زندگی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ایسے رول ماڈل جو سیرت کے اعلیٰ معیار پر پورا اتریں وہ معاشرتی مسائل کے افہام و تفہیم اور انسانی اقدار کے تحفظ میں بخوبی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کا کردار یقین دلاتا ہے کہ کامیابی کا حقیقی معیار صرف مادی دنیا ہی نہیں بلکہ سیرت رسول میں بھی پوشیدہ ہے۔

آج سیرت پر لمبی لمبی تقریریں کرنے والے تو مل جاتے ہیں لیکن اسی سیرت کو اپنانے والے مشکل سے مل پاتے ہیں، انسانی فطرت ہے کہ وہ مثالی چیزوں کو جلدی قبول کر لیتی ہے، صرف نظریات پر اپنی عمارت کھڑی کرنا خاص لوگوں کا طریق ہے عام لوگوں کو کسی نمونہ (ماڈل) چاہیے جسے دیکھ کر وہ اپنی زندگی کا قبلہ شب و روز درست کرتے رہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت بھی نسل انسانی کے اسی فطری مطالبہ کو پورا کرتی ہے اور آپ ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت پر دلیل خود اپنی زندگی کو بنا دیا تھا: لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس: 16) میں دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تمہارے سچ زندگی کا ایک عرصہ گزار چکا ہوں جو میری صداقت پر دلیل ہے۔

آپ کہیں گے کہ علماء اور مشائخ تو سیرت کے رول ماڈل ہیں تو پھر کس کی تلاش ہے؟ بالکل علماء و مشائخ سیرت کے حوالے سے رول ماڈل ہیں، انھیں تو یہ حق خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَوِّقَةُ

دنیا کی نعمتوں نے ہمیں اس قدر دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ ہمارا ہر فیصلہ اسی دنیوی زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے، کچھ لوگ تو اتنے جری ہو گئے ہیں کہ ان کے تصورات، فہم اسلام یا روح اسلام سے یکسر متصادم نظر آتے ہیں، جیسے یہ کہنا کہ جو ہوگا مرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔

2۔ سیرت کی ناقص تفہیم: سیرت کی افہام و تفہیم اور تعلیم و تدوین مختلف علوم و فنون کے ضمن میں ہوئی لیکن باضابطہ سیرت کے عنوان سے اس پر ایک زمانے تک کام نہیں ہوا اور اس کے اصول و ضوابط تو ابھی تک نامکمل ہیں۔ سیرت کے عنوان سے جو بھی کام ہوا وہ واقعات اور غزوات تک ہی محدود ہو کر رہ گیا، اس میں بھی تدقیق و تحقیق کی قلت دامن گیر رہی۔ اس لیے سیرت کا علیحدہ جامع محقق فہم لوگوں تک نہیں پہنچ پایا، جب بھی پہنچا تو کسی نہ کسی دوسرے علم و فن کے ضمن میں اضافی طور پر پہنچا اور اس فن کی جزئیات میں اہل علم و فن نے اتنی غلط فہمی کی کہ اس سے مختلف مکاتب فکر وجود میں آ گئے اور ہر مکتب فکر نے اپنے اپنے موقف کے ثبوت میں سیرت طیبہ سے استدلال کا جو طریقہ اپنایا اس سے خود سیرت طیبہ، تضادات کی زد میں آ گئی۔ بس یہیں سے سیرت طیبہ کا عملی و فکری گراف لوگوں کے مابین کمزور ہوتا چلا گیا جسے مزید ہوا اہل مغرب کے بے جا اعتراضات نے دی، اور جس کے رد عمل میں مسلم سیرت نگاروں نے جو سیرت نگاری کی وہ صرف فکریات و عملیات سے متعلق تھی جس کے نتیجے میں خود مسلمانوں میں دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے:

○ ایک مغربیت زدہ سیکولر ذہن

○ دوسرا مادیت زدہ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولر ذہن اپنے نظریاتی اور فکری اختلاف کی وجہ سے خود کو روشن خیال تصور کرنے لگا اور مستشرقین کے زہریلے پروپیگنڈے میں آ کر نہ صرف عشق رسول بلکہ ایمان اور اسلام کی حقانیت سے بھی ہاتھ

سیرت رسول ﷺ اسلامی تاریخ کا وہ اہم باب ہے جو نہ صرف دینی ہدایت بلکہ اخلاقی اور معاشرتی اصول بھی فراہم کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہے اور اسی کو اپنا کر امت ایک زمانے تک بساط عالم پر اپنا پرچم لہراتی رہی ہے اور تقریباً ہزار سال اقتدار میں رہنے کے بعد پھر امت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی تو یہ زوال مختلف شعبوں میں آیا، خصوصاً باب سیرت میں غیر معمولی زوال آیا کہ امت مسلمہ جہاں قلبی اور عملی طور پر سیرت سے دور ہوئی تو وہیں فہم سیرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی، جس کے واضح اثرات گزشتہ دو تین صدیوں سے بخوبی نمایاں ہیں، ایسا آخر کیوں ہوا؟

سیرت رسول سے دوری کی وجوہات

1۔ دینی غفلت: جس طرح سے ایک مسلمان اپنی دنیوی زندگی کو لے کر سنجیدہ ہے، اپنی آخری زندگی کے حوالے سے اتنا ہی غافل ہے۔ ایک طرف اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے گھنٹوں اپنا پسینہ بہاتا ہے تو دوسری طرف جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے بچنے کے لیے بیچ وقت نماز بھی ادا نہیں کر پاتا۔ آخر کیوں؟ لہذا کچھ دیر کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں شریعت اسلامیہ یا سیرت طیبہ کا علم نہیں لیکن آج کے برقی آلات اور ذرائع ابلاغ ہی ہمارے اس قول کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ آج تو علم حاصل کرنا بہت ہی آسان ہو گیا ہے اس لیے یہ عذرت تو دنیا میں سو مند ہے اور نہ ہی آخرت میں اس کے مقبول ہونے کی گنجائش ہے۔

دراصل ہم اپنی ترجیحات بدل چکے ہیں، آج مذہب ہماری اولین ترجیحات میں شامل نہیں، ہم دنیا کی رنگینیوں اور چکاچوند میں گم ہو کر اتنے غلت پسند ہو چکے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کا وعدہ بھی لمبا لگنے لگا ہے۔ ہم صرف حسی دنیا اور جلد ملنے والی نعمتوں پر یقین رکھے ہوئے ہیں اور اس

الْأَنْبِيَاءِ، مگر ایسے علماء اور مشائخ ہیں کہ اس منصب کا حق ادا کرتے ہیں۔ آج اُن کے ظاہر و باطن میں خود ہی بڑا تضاد نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی زندگی اور سیرت کے سچ بعد المشرقین ہے۔ پھر علماء اور مشائخ کے ہاں اس قدر جزوی اختلاف ہیں اور اُن اختلافات پر اس قدر شدت کے ساتھ عمل ہے کہ اُمت کے بیشتر افراد اُن کے انھیں جزوی اختلافات کی نذر ہو چکے ہیں۔ عام لوگ جب سیرت طیبہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو علماء اور مشائخ کے پاس جاتے ہیں اور یہ حضرات انھیں اپنے معمولات کے اس قدر پابند بنا دیتے ہیں کہ عوام، سیرت طیبہ کی اصل روح سے ہی محروم ہو جاتی ہے، کیوں کہ ہر شخص فقط اپنے مشائخ کے معمولات کو فروغ دینے کی کوشش کرنے میں لگا رہتا ہے تاکہ اُن کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ جائے اور معاشرے میں وہ معزز کہلا سکیں۔

4۔ نظام تعلیم کی کمزوری: موجودہ تعلیمی نظام میں سیرت کو درست طریقے سے شامل نہیں کیا جاتا۔ نصاب میں سیرت کو اہمیت نہ دینا، یا اُسے سطحی انداز میں پیش کرنا ایک بڑی وجہ ہے کہ نوجوان نسل، نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو پاتی۔

5۔ مغربی ثقافتوں کا اثر: مغربی ثقافت اور میڈیا کے نغے نے مسلمانوں کے معاشرتی اور ذہنی دھارے پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ یہ اثرات بھی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و سیرت سے دوری کی بڑی وجہیں ہیں، زیادہ تر افراد مغربی تہذیب و ثقافت کو ترجیح دیتے ہیں، ایسے میں لازم ہے کہ علماء، روایتی طرز بیان کو ترک کرتے ہوئے سیرت کی عصری معنویت و اہمیت کو جدید طرز پر نمایاں کریں تاکہ مغربی تہذیب و ثقافت کے بالمقابل سیرت رسول کا پہلو بہر حال پرکشش معلوم ہو۔

6۔ مادی فوائد کی خواہش: مادی فوائد اور دنیوی کامیابی کی خواہش نے بھی بہت سے لوگوں کو روحانیت اور سیرت سے دور کر رکھا ہے۔ افراد اکثر اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل میں اتنے نگیں اور مشغول ہوتے ہیں کہ وہ روحانی و اخلاقی پہلوؤں کی جانب بہت کم توجہ دے پاتے ہیں۔

7۔ دین کی بنیادی فہم کا فقدان: بہت سے لوگ دین کی بنیادی تعلیمات اور سیرت کے حوالے سے کم علمی کا شکار ہیں۔ اس علمی فقدان کی وجہ سے اُن کے لیے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی اہمیت کا صحیح اور اک بمشکل ہو پاتا ہے۔

8۔ آپسی اختلافات: مختلف اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اختلافات اور فرقہ واریت نے بھی سیرت کی بنیادی تعلیمات کو نظر انداز کرنے میں اہم کردار نبھایا ہے۔ اس کے نتیجے میں عام انسان ایک متحدہ اور جامع اسلامی تعلیمات سے دور و غور ہوتا چلا جاتا ہے۔

سیرت رسول سے دوری کے منفی نتائج

1۔ روحانیت کی کمی: سیرت سے دوری کے باعث افراد کی روحانیت متاثر ہوتی ہے اور چونکہ سیرت سے دوری کے سبب اخلاقی و روحانی تربیت نہیں ہو پاتی۔ یہ چیز سیرت سے دوری کا سبب بڑا خسارہ ہے۔

2۔ معاشرتی مسائل میں اضافہ: سیرت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے معاشرتی مسائل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ عدل، رحم دلی اور برابری جیسے اصول جو نبی کریم ﷺ نے متعارف کرائے تھے، اُن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں معاشرتی بے چینی اور مسائل بڑھتے ہیں۔

3۔ اخلاقی بحران: سیرت سے دوری اخلاقی بحران کو بھی

جنم دیتی ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت اخلاقی نمونہ فراہم کرتی ہے، اس لیے اُس سے دوری اخلاقی و روحانی پستی کا سبب بنتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیرت، مسلمانوں کی زندگی کا بنیادی حصہ ہے اور اُس سے دوری معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل پیدا کرتی ہے۔ تعلیمی نظام کی بہتری، غلط ثقافتی اثرات سے تحفظ اور دین کی بنیادی تعلیمات کے ذریعے ہی اس دوری کو کم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سیرت کو اپنی زندگی میں شامل کر کے ہم نہ صرف اپنی روحانیت اور اخلاقی اقدار کو مستحکم کر سکتے ہیں بلکہ ایک مضبوط اور متحرک و فعال معاشرہ بھی تشکیل دے سکتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے مائز نامِ مصطفیٰ است
”عظمتِ مصطفیٰ مسلمانوں کے دلوں میں بیست ہے اور ہماری عزت و آبرو مصطفیٰ کے نام سے ہی قائم و دائم ہے۔“



مستم المرسلین رحمۃ اللہ علیہم محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مطہرہ پر

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

داعی رجوع الی القرآن ہانی تنظیم اسلامی کی جملہ کتب اب تین ضخیم جلدوں میں

سیرت النبی ﷺ کی سیرت

کے عنوان سے شائع ہو گئی ہیں!

سیرت النبی ﷺ اور ہماری زندگی
(صول اکرم ﷺ)

سیرت النبی ﷺ اور فلسفہ انقلاب
(منہج انقلاب نبوی ﷺ)

خطبات سیرت النبی ﷺ
(سیرت خیر الانام علیہ السلام)

● صفحات: 1100 ● معیاری کاغذ ● عمدہ طباعت ● دیدہ زیب ماحول ● مضبوط جلد

مکمل سیٹ عمدہ اور نفیس پیکنگ میں

2500 روپے کے بجائے صرف 1250 روپے

فری ہوم ڈیلیوری
کے ساتھ

مکتبہ خدام القرآن

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور: فون: 3-042 35869501

وائس اینڈ نمبر: 0301-111-5348 maktaba@tanzeem.org

بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے) تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔ یہ سن کر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر انتہائی سخت لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”تمہیں یہاں آنے کی کیسے جرأت ہوئی؟ تم ہمارے کمزور اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتے ہو۔ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔“

اس قدر ناروا اور سخت گفتگو کے باوجود حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑی نرمی سے فرمایا:

”آپ تشریف رکھیں اور ایک بار ہماری دعوت سن لیں۔ اگر کوئی بات معقول اور آپ کی مرضی کے مطابق ہو تو قبول کر لیجیے گا اور اگر ہماری بات آپ کو پسند نہ آئے تو ہم خود یہاں سے چلے جائیں گے۔“

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تم نے انصاف کی بات کی ہے، اور متوجہ ہو کر سننے لگے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور پھر اسلام کے عقائد و محاسن کو اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کا نور چمکنے لگا اور بے تاب ہو کر کہنے لگے: کیا اچھا مذہب ہے! اور کیسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مسل کیجیے، پاک صاف ہو جائیے، کپڑے بھی پاک صاف کر لیجیے اور اس کے بعد حق کی گواہی دیجیے اور نماز ادا کیجیے۔“

چنانچہ اسید رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، غسل کیا، کپڑے پاک کیے، کلمہ توحید پڑھا اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر کہنے لگے: میرے پیچھے ایک شخص ہے، اگر اُس نے بھی تمہاری پیروی کر لی تو اس کے بعد اس کی قوم سے کوئی فرد اسلام سے باہر نہ رہے گا۔ میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ واپس لوٹے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا: واللہ! ”اسید“ جس حالت میں گیا تھا، اس سے بالکل جدا حالت میں واپس آ رہا ہے۔ جب وہ آکر مجلس میں کھڑے ہوئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: ان دونوں سے گفتگو کی، واللہ! مجھے ان دونوں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا اور میں نے انہیں منع بھی کر دیا ہے اور

دونوں نے اقرار کیا ہے کہ جیسا تم پسند کرو، ہم ویسا ہی کریں گے۔ البتہ مجھے خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کر کے تمہیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے، چنانچہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھے کہ کہیں بنی حارثہ ان کو واقعاً قتل ہی نہ کریں، ان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر تیزی سے ان کی طرف گئے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہاں حالات بالکل ٹھیک ہیں، تو وہ سمجھ گئے کہ اسید رضی اللہ عنہ نے یہ حیلہ صرف اس لیے کیا ہے، تاکہ مجھے ان لوگوں کی باتیں سنوائی جائیں، چنانچہ انہوں نے جاتے ہی ان کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ”اے ابوامامہ! اسنو، اگر تمہارے اور میرے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو تمہیں یہ جرأت قطعاً نہ ہوتی کہ تم ہمارے محلہ میں آکر ایسی باتیں کرتے جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔“

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کی گفتگو اور گالم گلوچ کو بڑے تحمل کے ساتھ سنا اور بڑی نرمی سے کہا: ”آپ ایک بار ہماری دعوت سن لیں، اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہو اور آپ کو پسند آئے تو اسے قبول کر لیجیے گا اور اگر اسے ناپسند کریں تو ناپسندیدہ بات کو آپ سے دور کر دیا جائے گا۔“

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تم نے انصاف کی بات کہی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور سورۃ زخرف کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں، اور اسلام کا نقشہ کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ وہ فوراً ہی مسلمان ہو گئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ بنی عبدالمہمل کی طرف آئے، اور ان سے کہا: اے بنی عبدالمہمل! تم اپنے درمیان مجھے کس مقام کا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے سردار، آپ سب سے زیادہ خویش پرور، بہترین رائے والے اور بڑی عقل والے ہیں۔ انہوں نے کہا: تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ اور پھر شام ہونے سے پہلے پہلے قبیلہ بنی عبدالمہمل نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر اثر اسلام قبول کر لیا۔ (سیر اعلام النبلاء، للذہبی، ج: 1، ص: 98، دارالحدیث، القاہرہ)

داعی کی دس صفات حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی روشنی میں

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ذاتی زندگی، ان کے اسلوب دعوت، اور منہج تبلیغ کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک موثر ترین مبلغ، داعی، اور سفیر اسلام کو دس صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی مکمل طور پر کسی مبلغ اور داعی میں نہ پائی جائے تو اس کی دعوت وہ برگ و بار نہیں لاسکتی اور اس قدر موثر اور پھل دار نہیں ہو سکتی جتنی ہونی چاہیے، اور بہت ممکن ہے کہ ایسی دعوت کے معاشرہ میں برے نتائج ظاہر ہوں۔

1- طلب علم

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے فوراً بعد اسلام کی سب سے پہلی درس گاہ دار ارقم میں طالب علم رہے، جس کے معلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ ہجرت حبشہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی تربیت میں رہے۔ دین کا صحیح علم صاحب شریعت سے سیکھا اور سمجھا۔

طلب علم داعی اور مبلغ کے لیے لازمی شرط ہے، علم کے حصول کے بغیر شریعت کا داعی اور ترجمان بننا شریعت کے لیے انتہائی خطرناک چیز ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص میڈیکل کی تعلیم کے بغیر از خود اپنے مطالعہ سے ڈاکٹر بن جائے، یقیناً یہ شخص انسانی معاشرے اور انسانی جانوں کا دشمن ثابت ہوگا، اور سرکاری اور غیر سرکاری کسی بھی سطح پر ایسا ڈاکٹر قابل قبول نہیں ہو سکتا، اسی طرح دینی تعلیم کے حصول اور اس کے صحیح فہم کے بغیر از خود مطالعہ کر کے بننے والا مبلغ، داعی اور شریعت کا ترجمان اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے ایمان کے لیے زہر قاتل ہے۔

2- علم میں چنگلی

علم کے حصول کے بغیر اگرچہ علم میں چنگلی، اس کی عملی مشق، اور اس میں رسوخ کا ہے۔ اگر علم کا حصول برائے نام ہو، یا شریعت کے کسی خاص پہلو کا مطالعہ کیا ہوا ہو، تو ایسا شخص بھی شریعت کی کامل و مکمل تشریح اور کامل دین کا ترجمان نہیں بن سکتا۔ حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی علمی چنگلی، ان کے اسلوب دعوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد سے مکمل طور پر عیاں ہوتی ہے۔

3- اخلاص و اللہیت

دینی علوم کا حصول دنیاوی مقاصد، شہرت، طمع،

حب جاہ اور حب مال ہو تو ایسا علم دنیا و آخرت میں وبال جان اور ابدی رسوائی کا ذریعہ ہے۔ اس بارے میں کئی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔

4- عمل صالح

علم میں پیشگی اور رسوخ کی پہلی سیزمی عمل صالح ہے، جو علم بغیر عمل کے ہو وہ غیر پھل دار درخت کی مانند ہے، ایسا علم اپنے اور دوسروں کے ایمان کے لیے نقصان دہ ہے۔ داعی کا اگر اپنی دعوت پر عمل ہی نہ ہو تو سامنے والے پر دعوت کا مثبت اثر ہونے کے بجائے برا اثر پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے دین اسلام میں مزید شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اقامت صلوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی، جو اولین اور بلند ترین عمل صالح ہے۔

5- لوگوں کے مرتبہ کے اعتبار سے گفتگو کرنا

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سرداروں سے سرداروں کے لب و لہجہ میں، اُن کے مقام و منزلت کی رعایت کرتے ہوئے، اُن کی ذہنی سطح کے اعتبار سے گفتگو کرتے تھے، اور دیگر لوگوں سے اُن کے مقام کے اعتبار سے۔ اس ضمن میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعوتی گفتگو کو بطور خاص ذہن میں رکھنا چاہیے۔

6- اپنی دعوت پر مکمل یقین

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی دعوت پر اتنا یقین تھا کہ سامنے والے مخاطبین سے فرماتے: ہماری گفتگو اور ہماری دعوت سن لو، اگر معقول، دل پسند اور حق پر مبنی نہ ہو تو آپ اس سے بہتر چیز کی طرف ہماری راہنمائی کر دیجیے گا۔ یہ اسلوب وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں انسان کو اپنی بات کی حقانیت اور اس کی تاثیر پر مکمل یقین ہو۔

7- اطمینان و وقار اور بے خوفی

داعی کا لازمی اور خصوصی وصف اطمینان اور وقار رہنا ہے، کیوں کہ دعوت کے کام میں کسی بھی ناگوار صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے سردار بھی ہیں، اور نیز وہ لے کر قصہ کے عالم میں آپ کے پاس آ رہے ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکمل مطمئن ٹھہرے رہے، اور فرمایا: کیا ہی اچھا ہوگا، اگر آپ ہماری دعوت سن لیں گے، اگر اچھی بات ہو تو قبول کر لیں، کیوں کہ آپ تو سردار ہیں، اور سردار اچھی بات لینے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اور اگر بری لگے تو ہماری دعوت سے اعراض کر لیجیے گا، یہی انداز سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی رکھا گیا۔

8- اخلاق حسنہ سے متصف ہونا

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر انتہائی با اخلاق تھے، مسکرا کر ملنے کے عادی تھے۔ بعض روایات میں آتا

ہے کہ لوگ ان کی مجلس میں بیٹھنا، اور ان سے باتیں کرنا بہت پسند فرماتے تھے۔

9- زبانی فصاحت

داعی کا ترتیبی وصف یہ ہے کہ زبانی فصاحت، لسانی بلاغت، اور جملوں کی ادائیگی میں شگفتگی رکھتا ہو۔ حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انداز گفتگو اتنا نرالا اور مؤثر ہوتا تھا کہ آپ کی مجلس سے اٹھنا لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔

10- قرآن کریم سے استدلال

داعی اور مبلغ اسلام کے لیے لازمی اور ضروری وصف یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کو قرآن کریم سے مزین کرے، قرآن کی دعوت، کائنات کی مؤثر ترین دعوت

ہے، قرآنی قصص کا بیان، قرآنی آیات کی تلاوت، اور قرآنی دلائل بیان کرنے سے نہ صرف دعوت مؤثر بنتی ہے، بلکہ ایسی دعوت کو دوام و بقا، اور جاویدانی ملتی ہے۔

دین اسلام الحمد للہ کامل و مکمل دین ہے، جس کا نصاب قرآن و سنت ہے، اور اس نصاب میں دینی دعوت کے ہر پہلو کا پیش بہا ذخیرہ موجود ہے، اس لیے اسے بلا سند جمونے قصوں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام طلبہ اور واعیان دین کو ان صفات سے متصف فرمائیں، اور اپنے دین کا داعی، مبلغ، سفیر اور حقیقی ترجمان بنائیں۔ آمین یا رب العالمین!



پریس ریلیز 21 اگست 2026

حکومت اور اپوزیشن بانی پی ٹی آئی کی صحت پر سیاست سے باز رہیں۔

دفاعی معاملات پر قانون سازی اہم، عوام کی بہبود کے لیے قانون سازی اہم تر ہے۔

ملک کے تمام اندرونی و بیرونی مسائل کا اصل حل صرف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

کے نفاذ سے ممکن ہے۔

شجاع الدین شیخ

حکومت اور اپوزیشن بانی پی ٹی آئی کی صحت پر سیاست سے باز رہیں۔ دفاعی معاملات پر قانون سازی اہم، عوام کی بہبود کے لیے قانون سازی اہم تر ہے۔ ملک کے تمام اندرونی و بیرونی مسائل کا اصل حل صرف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ سے ممکن ہے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ بانی پی ٹی آئی کی قید میں گزرتی ہوئی صحت کے باعث عدالتی حکم کے مطابق انہیں جیل سے ہسپتال منتقل کرنا خوش آئند ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور اپوزیشن اس معاملے پر سیاست سے اجتناب کریں۔ پھر یہ کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر کی جیلوں میں ہزاروں افراد جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہیں، اُن کے لیے بھی مناسب علاج کا بندوبست کیا جائے۔ امیر تنظیم نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں پیش کیے گئے تھانڈا اٹھارتی ایکٹ میں ترمیم اور ڈیفنس فورسز ایکٹ 2026 کی منظوری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹنا اور دفاع کو مضبوط کرنا یقیناً قومی سلامتی کے لیے ضروری ہے لیکن عوام کے بنیادی مسائل کو حل کرنا اور اس حوالے سے قانون سازی میں بھی سرعت سے کام لینا اہم تر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ملک میں عوام کی فلاح و بہبود کو اولین ترجیح دی جانی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی ہمیں یہی درس دیتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ کی مخلوق پر کسی نوعیت کی ذمہ داری دی گئی ہو اُن کا فرض بنتا ہے کہ عوام کی تمام جسمانی و روحانی ضروریات زندگی کو احسن انداز میں پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔ لہذا مہنگائی، بے روزگاری اور جملہ معاشی و سماجی مسائل کی چکی میں پسی ہوئی عوام کو ریلیف دینے اور بالخصوص ملک سے سود کے خاتمے کے لیے بھی فوری قانون سازی کی جائے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ ملک کو درپیش تمام چیلنجز کا واحد اور اصل حل اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور 79 سال گزرنے کے بعد بھی ملک میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ نہیں کیا گیا، جو ایک بڑی مجرمانہ غفلت ہے۔ لہذا فوری طور پر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ و قیام کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں تاکہ ہم دنیا میں بھی امن و خوشحالی کی طرف بڑھ سکیں اور آخری کامیابی کے امیدوار بھی بن جائیں۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

حصیب آصف فیلچ (مرکزی شعبہ نشر و اشاعت)

چلیے! اب آسمان سے ذرا سمندر کی گہرائیوں میں
چلتے ہیں۔ اگر آپ دو گلاس لیں، ایک میٹھا پانی اور
دوسرے میں نمک ملا کھا رہائی ڈالیں اور دونوں کو ملا دیں،

ذرا سوچئے! قرآن نے صدیوں پہلے چیونٹیوں کی اس بات چیت اور سمجھ بوجھ کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کر دیا تھا! یہ تمام باتیں جاننے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ سائنسی حقائق

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَارْحَمْهُمَا وَأَدْخِلْهُمَا
فِي رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمَا حِسَابًا يَسِيرًا

حقوق زوجین قرآن و سنت کی روشنی میں

راحت بشیر

اسلامی تعلیمات کے مطابق حقوق زوجین (میاں بیوی کے حقوق) ایک خوشگوار اور مستحکم ازدواجی زندگی کی بنیاد ہیں۔ شریعت نے دونوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کا متوازن تعین کیا ہے۔ اور یہی عدل کہلاتا ہے، جو اسلام کی اولین ترجیح و تعلیم ہے۔ اسلام اعتدال کا مذہب ہے، عدل و انصاف اور حقوق کی عادلانہ تقسیم اس کا وصف خاص ہے۔

مرد و زن کے حقوق کے بارے میں بھی اس دین متین نے راہ اعتدال کو اختیار کیا ہے اور اپنے اس وصف خاص کے سبب دین اسلام دنیا کے تمام تر دیگر ادیان کے سبب ممتاز ہے۔ حقوق زوجین یعنی میاں بیوی کے حقوق سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو مرد و زن پر ان کے ازدواجی رشتے میں مسلک ہونے کے بعد شرعی و اخلاقی طور پر عاید ہوتی ہیں۔

جس طرح اسلام نے مرد کے حقوق بیان کیے ہیں، اسی طرح عورتوں کے حقوق کا تعین بھی فرمایا ہے اور یہی اعتدال، عدل کہلاتا ہے، جو اسلام کی اولین ترجیح و تعلیم ہے۔ معاشرے کے ارتقاء، باہم محبت و رواداری، ایک دوسرے کے مابین مفاہمت و اعتماد کی فضا قائم رکھنے میں حقوق کی عادلانہ تقسیم اور اس پر عمل قائم رہنا ایک مستحکم اور مضبوط گھرانے کی بنیاد ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے بارے میں مردوں کو نصیحت فرمائی،: "عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت اختیار کرو، کیوں کہ عورتیں تمہارے ماتحت ہیں، تم اس کے سوا کسی اور شے کے مالک نہیں۔" (ابن ماجہ)

اسی طرح جہاں مردوں کو ازدواجی تعلقات مستحکم اور مضبوط رکھنے کے لیے یہ وصیت و نصیحت فرمائی، وہیں عورتوں کو بھی اسلامی حدود کا پابند کیا اور دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے انہیں مردوں کی امانتوں کا امین بنایا اور فرمایا: "وہ خیانت کا ارتکاب نہ کریں۔"

مرد و زن کے حقوق کا تعین قرآن کریم نے ازدواجی زندگی کی استواری اور اس بندھن کو جس میں شرعی طور پر ان کو گرہ لگا کر رکھا گیا ہے، اس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے فرمایا: "تا کہ ان کی رعایت سے معاشرتی نظم برقرار رہے۔" گویا معاشرت، میاں بیوی کے مابین حقوق کی عادلانہ تقسیم اور ان کے مابین خوش گوار تعلقات کا نام ہے۔

جب باہم قلبی و ذہنی ہم آہنگی ہوگی تو اچھا اور عمدہ معاشرہ تشکیل پائے گا، کیوں کہ معاشرہ، معاشرت سے عبارت ہے۔ مرد کے حقوق سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جن کا بجالانا، انہیں پورا کرنا عورت کے لیے لازم و ضروری ہے اور بیوی کے حقوق سے مراد وہ امور لازم و شرعی ہیں جن کا ملحوظ رکھنا مرد کے لیے لازم و ضروری ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں انہیں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقوق شرعی طور پر ایک دوسرے کے لیے ادا کیے جانے والے فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیوں کہ شرعاً و اخلاقاً وہ ان احکام پر عمل کے پابند ہیں، جو شریعت نے ایک دوسرے کے حق میں انہیں عطا کیے ہیں۔

شوہر کی اطاعت عورت پر قرآن و سنت کے نصوص کے مطابق ہے اور مرد کے لیے عورت کی ذمہ داری پورا کرنا عملاً، قولاً و فعلاً فرائض و سنت پر عمل کرنا ہے۔ قرآن کریم ان عورتوں کی توصیف بایں الفاظ کرتا ہے جو اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی پر پورا اُترتی ہے۔ فرمان عالی شان ہے: "جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الہی (مال و آبرو) کی حفاظت کرتی ہیں۔" (النساء)

اس حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر میں کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں سے کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔" (ترمذی) اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ہر عورت جو اس حال میں فوت ہو کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔" (ترمذی)

عورت پر مرد کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اُس کی امانت کی حفاظت کرے جو اس کے پاس ہے، یعنی اس کے نسب، آبرو، عزت و عظمت، مال و دولت، راز و نیاز، بچوں کی پرورش اس میں شامل ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں جو شوہروں کی فرماں بردار ہیں، قرآن کریم میں فرمان عالی شان ہے: "وہی عورتیں نیک ہیں جو اپنے مردوں کے حکم پر، ان کے کہنے پر چلتیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے مال و آبرو کی حفاظت کریں۔" (النساء)

قرآن کریم نے اس لیے "حفظ الغیب" اور "حفظ اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے جو کہ نہایت وسیع المعنی ہے۔ اسی طرح مردوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان پر عورتوں کے حقوق لازم ہیں اور ان کے حقوق کیا ہے اس کی تشریح بھی بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اسے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

مثال کے طور پر معاشی، سماجی، تمدنی حقوق کے ساتھ گھر کی کفالت مرد کی ذمہ داری ہے، وہ عورت کو سماج سے کاٹ کر نہیں رکھ سکتا۔ اسے بھی معاشرتی و سماجی طور پر اپنے مقام کو منوانے کا حق حاصل ہے اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے ایسے مواقع فراہم کرے، جس سے فائدہ اٹھا کر عورت حدود معاشرت میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن و تہذیب میں اپنے حصے کا کام بہتر طور پر سرانجام دے سکے۔

اسلام خواتین کی ترقی و کامیابی پر کوئی قدغن نہیں لگاتا، بشرطیکہ کہ وہ دائرہ اسلام اور حدود شرع میں ہو۔ عورت کے حقوق کے بارے میں یہ حدیث کریم بھی ہے۔ حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جو خود کھائے تو وہ اُسے بھی کھائے اور جو خود پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مارے اور اسے برا بھلا نہ کہے اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کرے۔" (ابن ماجہ)

جدید تعلیم یافتہ حضرات و خواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع



باری کریم
انوارت اسلام

رجوع الی القرآن کورس

ان شاء اللہ

رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔

تعلیم : کم از کم انٹر میڈیٹ

عمر : کم از کم 22 سال

دورانیہ : 10 ماہ

انٹر کنڈیشنڈ
کلاسز

انٹرویو: یکم ستمبر 2026ء

آغاز کلاسز: 2 ستمبر 2026ء

ایام تدریس: پیر تا جمعہ

اوقات تدریس: صبح 8:15 تا 1:00

مضامین تدریس:

پارٹ 1 (سال اول)

برائے مرد و خواتین

- تجوید و ناظرہ ● عربی گرامر (صرف نحو) ● ترجمہ قرآن (مع تفسیری و لغوی توضیحات) ● دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی ● سیرت و شمائل النبی ﷺ ● مطالعہ حدیث و اصطلاحات حدیث
- فکر اقبال ● فقہ العبادات ● معاشیات اسلام ● اضافی محاضرات

پارٹ 2 (سال دوم)

برائے مرد و حضرات

- عربی زبان و ادب ● اصول تفسیر ● تفسیر القرآن ● اصول حدیث ● درس حدیث
- اصول الفقہ ● فقہ المعاملات ● عقیدہ (لحاویہ) ● اضافی محاضرات

نوٹ: بیرون لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔
لہذا خواہشمند حضرات پہلے سے رجسٹریشن کروالیں۔

email: irts@tanzeem.org
www.khuddamulquran.org
0316-1466611 042-35869501

مزید
تفصیلات
کیلیے:

زیر انتظام: بمقام:

ڈاکٹر و سربراہان کی خدمات قرآنی مرکز
مکہ مکرمہ، مین القرآن لاہور
36-K میلان ٹاؤن لاہور

یہ فرمان عالی شان قطرے میں سمندر رکھتا ہے اور اس کا عامل ہر طرح سے خوش حال زندگی بسر کر سکتا ہے، بشرطیکہ کہ وہ صدق دل سے اس فرمان پر عمل پیرا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مومنوں میں کامل ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہو اور تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔“ (ابن ماجہ) حسن اخلاق، حسن سلوک کے بعد سب سے بڑا حق عورت کو بعض شرائط کے ساتھ شوہر کے انتخاب میں عطا کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ معاملات اس فوج پر پہنچ جائیں کہ صلح کا کوئی راستہ باقی نہ رہے تو شرعی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت کو خلع کا حق بھی حاصل ہے۔

تاہم اگر عورت گھر میں خود کو محبوس نہ سمجھے، گھر کو قید خانہ نہ جانے، گھریلو معاملات میں خود مختار اور باہمی مشاورت رکھتی ہو تو گھر کبھی نہیں بگڑے گا۔ اسلام نے عورت کو معاشی، سماجی اور تمدنی حقوق دے کر اس کی حیثیت کو مضبوط کر دیا ہے، تاکہ معاشرے میں اس کی بھی عزت و وقار رہے اور وہ لوگوں کی دست برد سے بھی محفوظ رہے۔

اسلام عورت کی آزادی پر قدغن نہیں لگاتا مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں عورت کی آزادی کا مطلب مغرب کی نام نہاد آزادی نسواں اور دیگر نسائی تحریکوں کی مادر پدر آزادی نہیں بلکہ اسلام کی عطا کردہ آزادی ان تمام خرافات سے پاک ہے۔ اس بے لگامی نے ہی مغرب سے خاندان کا تصور ختم کیا اور عورت کی عصمت کو بر باد اور اس کی عزت کو تار تار کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو ایسی آزادی سے مبرا و منزنی رکھا ہے اور اسے پاکیزہ تعلیم دیتا ہے جو کہ دین اسلام کا خاصہ ہے۔

لوگوں پر تین احسانات کرو

- 1 نفع نہیں دے سکتے تو نقصان نہ کرو
- 2 خوش نہیں کر سکتے تو رنجیدہ نہ کرو
- 3 تریف نہیں کر سکتے تو دباؤ نہ کرو

روح کی حقیقی غذا؟

محمد خالد حمید

ان گزارشات کے برعکس کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں۔ موسیقی روح کی غذا ہے یا نہیں؟ یا موسیقی کے فوائد و نقصانات پر بات کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں موسیقی کے حوالے سے کیا احکامات دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھ پر شراب، جوئے، طبلہ اور باجے کو حرام قرار دیا ہے۔“ (مسند احمد) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے لوگ جب چھ چیزوں کو حلال ٹھہرائیں گے تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے (1) آپس میں لعن طعن (2) شراب (3) ریشم کا لباس (4) گانے بجانے والیاں (5) مردوں کی مردوں کے ساتھ اور (6) عورتوں کی عورتوں کے ساتھ بے حیائی (طبرانی) یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو تباہی کا ذریعہ بتائیں، وہ انسان کی روحانی غذا کیسے ہو سکتی ہے؟ لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ روح کو تازگی و توانائی مہیا کرنے کے لیے (موسیقی کی غذا دینے کی بجائے) ذکر الہی سے تروتازہ رکھا جائے۔

موسیقی سے انسان اور اس کی روح کو سکون ملنا ایسا ہی ہے جیسے نشہ آور چیز یا دوا کھانے سے کچھ دیر کے لیے انسان کا دماغ ماؤف ہو کر سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ موسیقی سے ملنے والا کیف جسے انسان سکون سمجھ لیتا ہے ایک عارضی کیفیت ہے۔ درحقیقت موسیقی ذہنی خلفشار کا باعث بنتی ہے۔ موسیقی سے حاصل ہونے والے کیف سے اس کی مضرت اور ضلالت حد درجہ زیادہ اور غالب ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”موسیقی دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔ (نیبٹی) ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”گانا بجانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی اگاتا ہے اور اللہ کا ذکر (دل میں) اس طرح ایمان پیدا کرتا ہے جیسے پانی ترکاری (سبزی) اگاتا ہے۔“ (مشکوٰۃ) موسیقی روح پر وہی اثر رکھتی ہے جیسے شراب دماغ اور جسم پر کرتی ہے بلکہ سریلی آواز اور طبلے کی تھاپ

کے جسم خاکی میں جو ملکوتی روح پھونگی، اس کے دوام کے لیے بھی ایک مستقل بندوبست فرمایا ہوا ہے۔ یعنی روح کو تازگی اور دوام بخشنے کے لیے ہر وقت ذکر الہی کرتے رہنے کا حکم دیا ہے، جو ملکوتی روح کے لیے غذا کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ نہ صرف تروتازہ رہتی ہے بلکہ قلب انسان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عیش پیدا نہیں فرمایا۔ وہ ذات خالق عظیم ہی نہیں بلکہ حکیم و بصیر بھی ہے۔ وہ ہر مخلوق کے مصرف کے بارے میں بہت بہتر جانتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا ہے: ”میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لیے“ (الذاریات: 56) اور عبادت کے بارے میں واضح ہے کہ اس سے دلی سکون و اطمینان حاصل ہوگا۔ گویا کہ یاد الہی سے ہی انسان دلی و روحانی سکون پائے گا۔

انسان کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ہمہ وقت رہبری و ہدایت کے لیے اپنے پیغمبر و رسول معبوث فرمائے جن پر مقدس کتب بھی نازل فرمائیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائی، نفع و نقصان سے آگاہ کیا، نیکی بدی کے ثمرات سے روشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم خاکی میں جو روح ملکوتی پھونکی وہ نہایت ہی لطیف شے ہے۔ لہذا اس کی غذائیت کے لیے کوئی لطیف شے ہی ہونی چاہئے۔ لہذا اس کے تغذیہ کے لیے فرمایا کہ ہر وقت اس کا ذکر پاک کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک سے انسان کو جو حامل ملکوتی روح ہے تین فوائد حاصل ہوں گے:

- 1۔ انسان کی ملکوتی روح تروتازہ رہے گی۔
- 2۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی (یعنی اللہ تعالیٰ خوش و راضی ہوگا)۔
- 3۔ انسان جنت جیسے عظیم انعام سے نوازا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ہے۔ اس کائنات میں انسان بھی اس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ انسان ایک حقیر جڑوہ سے معرض وجود میں آیا ہے، اس جڑوہ میں بھی زندگی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انسان کی شکل پاتا ہے۔ اس ارتقائی عمل کے دوران ہی اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اس میں روح پھونکتا ہے۔ روح ایک اعلیٰ و ارفع اور نہایت ہی لطیف شے تصور کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے۔ روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی قسم کا علم عطا کیا ہی نہیں۔ کوئی ذی روح اس کا ادراک نہیں رکھتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر صبر فرمائی ہے کہ اس کے بارے میں تجسس میں نہ پڑو۔

اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی رو میں پیدا کی ہیں ایک طبعی روح اور دوسری ملکوتی روح۔ طبعی روح کو نفس بھی کہا جاتا ہے۔ طبعی روح انسان کے علاوہ تمام حیوانات و جاندار اور دیگر مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے۔ نفس انسان میں مادیت سے محبت اور سغلی پن پیدا کرتا ہے۔ اس کے طبعی تقاضوں کی تکمیل اسی ارض خاکی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس یعنی انسان کی مادی زندگی برقرار رکھنے کے لیے زمین پر ہوا، پانی، اناج، پھل، حیوانات، چرند پرند وغیرہ پیدا فرمادیئے تاکہ انسان اپنی دنیوی زندگی احسن طریقے سے گزار سکے۔

دوسری قسم ملکوتی روح ہے جسے مطلقاً روح بھی کہتے ہیں، جو صرف انسان میں ہی خصوصی طور پر رکھی گئی ہے۔ یہی ملکوتی روح انسان میں علو و ارتقاء کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس روح کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ یہ محبت و شفقت، جو دو کرم، صدق و عدالت اور ذکر الہی وغیرہ سے آسودہ حال ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان

کا نشہ بنت العصب (انگور کی شراب) کے نشے سے کہیں زیادہ مضر ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ ”جو شخص بقصد وارادہ موسیقی میں شرکت کرتا ہے، فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔“

موسیقی زندہ عقیدوں کی ایجاد ہے۔ گانا بجانا فاسقوں کا عمل ہے، جو اسے عبادت کے ضمن میں بھی لیتے ہیں۔ موسیقی سے مسلمان قرآن سے دور ہو گیا، قرآن پاک کو چھوڑ کر مسلمان گمراہی کی عمیق گہرائوں میں جا گرا ہے۔ موسیقی کا سنا، سنانا دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ظاہر ہوا تھا۔ اس وقت کے احمد دین نے اس پر سخت نا پسندیدگی اور ناراضی کا اظہار فرمایا تھا۔ فی زمانہ اس ضمن میں اکثر لوگ جو موسیقی کے فن میں ملوث ہیں رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں دف بجانے کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ دف بجانا موسیقی کے ضمن میں نہیں آتا۔ موسیقی میں ساز و سازگی کا اضافہ بہت بعد میں کیا گیا تھا جس سے باقاعدہ طور پر موسیقی پیدا کی گئی۔ جس کی تائید میں کوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد یا رسول ﷺ کا قول پیش نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دیگر علماء و فقہاء نے بھی گانے بجانے اور اس کے سننے کو حنفی سے رد کیا ہے بلکہ اس عمل کو فاسقوں کا عمل قرار دیا ہے۔ موسیقی اسلام میں کبھی بھی رائج نہ تھی اور نہ ہی یہ ارکان اسلام میں شامل تھی، پھر یہ روح کی غذا کیونکر بنی۔

روح تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ پاک و لطیف شے ہے، موسیقی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے زبردستی روح کی غذا کے نام پر اسلام میں داخل کر دی گئی ہے۔ یہ مسلمانوں کے اخلاق کو نہ صرف تباہ و برباد کرنے کی منظم سازش ہے، بلکہ اسلام اور قرآن پاک سے متغیر کرتے ہوئے مسلمانوں کو فرقہ بندی کے ذریعے منتشر کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ آج مسلمان اپنے مذہب اسلام کی اقدار کو چھوڑ کر غیر اسلامی رسم و رواج میں پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و کرم اور نعمتوں سے محروم ہوتا جا رہا ہے جو نہ صرف دنیا میں دستیاب ہیں بلکہ بعد از قیامت جنت میں بھی ملیں گی۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے تائب ہو جائے اور اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرے۔

موسیقی روح کے لیے تو نہیں ہاں نفس کے لیے فرحت بخش ہو سکتی ہے۔ اگر موسیقی کو روح کی غذا قرار دیا جاسکتا ہے تو کل کو شراب نوشی، افیون خوری اور زنا کاری کو

بھی روح کی غذا کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ ان تمام اعمال بد میں کیف و لطف کا سامان ہوتا ہے، اگرچہ سرور اور فرحت سطحی اور وقتی ہوتی ہیں۔ انسان صرف مادی جسم ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا دوسرا لازمی جزو لطیف شے ”روح“ بھی ہے۔ انسان کے فوت ہو جانے پر روح پرواز کر جاتی ہے اور جسم خاکی پیچھے رہ جاتا ہے، جس کو خاک ہی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

طبعی روح کے تقاضے اور ملکوتی روح کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں اور پھر دونوں تقاضوں کی تکمیل بھی الگ الگ طریقوں سے ہوتی ہے۔ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی تقاضے پورے ہو جائیں تو انسان کو آسودگی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ ملکوتی روح کی غذا موسیقی ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ صرف ذکر الہی ہے، جس سے یہ اطمینان و سکون حاصل کرتی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں صاف ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی (وہ غذا ہے جس) سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (ترجمانی الرعد: 28) اگر موسیقی روح ملکوتی کی غذا ہوتی تو اس سے صرف انسان ہی فرحت حاصل کرتے حیوانات اس سے کبھی متاثر نہ ہوتے۔ جبکہ حیوانات تو موسیقی سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جانوروں کا موسیقی سے متاثر ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موسیقی صرف روح حیوانی کو متاثر کرتی ہے روح ملکوتی کو آسودگی نہیں پہنچا سکتی۔

جب انسان کسی چیز کی تخلیق کرتا ہے تو اس کو بخوبی

معلوم ہوتا ہے کہ اس مشین کو رواں دواں رکھنے کے لیے کون سا ایندھن مفید رہے گا۔ اگر اس مشین میں مظلوم ایندھن کی جگہ دوسرا ایندھن ڈال دیا جائے تو وہ مشین کام ہی نہیں کرے گی بلکہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ نتیجتاً مالی نقصان بھی ہوگا اور وقت بھی ضائع ہوگا۔ لہذا عقل و خرد کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی روح کے لیے موسیقی کی غذا دینے کی بجائے اس کو ذکر الہی سے ہی تروتازہ رکھے۔ اس سے روح بھی خوش و خرم رہے گی اور اللہ بھی راضی ہو گا، بلکہ روز قیامت آدمی کو جنت کے انعام و اکرام کے علاوہ اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، جس کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے اور نہ ہی کسی کو ہونا چاہئے۔

مختصراً یہ کہ موسیقی کو روح ملکوتی کی غذا کہنا ایک بدترین مغالطہ ہے جو کہ ہیئت انسانی سے نادانیت کی بڑی دلیل اور گمراہ کن ہے۔ موسیقی سے اشتعال کو جائز سمجھنا شیطان کی اتباع اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں، لہذا انسان کو بالعموم اور مسلمان کو بالخصوص موسیقی سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ غفار، قہار، اور رحمن بھی ہے کے حضور سجدہ ریز ہو کر سچے دل سے توبہ حقیقی کر لی جائے اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنی بخشش کا سامان کر لے۔

لہذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موسیقی روح کی غذا قطعاً نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہی روح کی غذا ہے اور اتباع اسوۂ حسنہ رسول پاک ﷺ ہی نجات کی سند ہے۔

رفقاء متوجہ ہوں ان شاء اللہ

”قرآن اکیڈمی 25 آفیسرز کالونی، ملتان“ میں (وسطی پاکستان کے تحت)

11 تا 13 ستمبر 2026ء (بروز جمعۃ المبارک نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

نہما گلدس

(نئے نقباء و متوقع نقباء (ملتمزم) کے لیے)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-6303691 / 0322-6187858

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 78-35473375 (042)

ہرمز کا لیموں نچوڑ

خالد نجیب خان

khaldinajib@gmail.com

عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، بحرین اور عمان بھی موجود ہیں تو یہ ممالک خاموشی سے ایران کے دعویٰ بائے قانونی ملکیت کا منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے یہ سوال جتنا سادہ اور معصومانہ ہے اس کا جواب بہت الجھنگ ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس خطے کا جغرافیہ سمجھنا پڑے گا۔ آبنائے ہرمز ایران اور عمان کے درمیان واقع ہے، نہ کہ صرف ایران کے درمیان۔ اس آبنائے کے شمال میں ایران اور جنوب میں عمان کا منہم جزیرہ نما ہے۔ اس لیے آبنائے کے ساحلی ممالک دراصل ایران اور عمان ہی ہیں۔ عمان نے بھی سرکاری طور پر ایران کے ساتھ مشترکہ بیان میں خود کو آبنائے ہرمز کی کونسل سٹیٹ قرار دیا ہے اور اپنے علاقائی پانیوں پر خود مختاری کے حقوق کا ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور عراق خلیج فارس کے ساحلی ممالک ضرور ہیں، مگر ان میں سے کئی تو آبنائے ہرمز کے ساحل پر واقع ہی نہیں ہیں۔

دراصل خلیج فارس ایک بہت بڑا سمندری خطہ ہے، جس میں ایران کے علاوہ عراق، کویت، سعودی عرب، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور عمان کے ساحلی علاقے آتے ہیں جبکہ آبنائے ہرمز اس خلیج سے نکلنے کا دروازہ ہے۔ گویا خلیج فارس سے نکل کر، آبنائے ہرمز پہنچیں وہاں سے خلیج عمان اور پھر وہاں سے، بحیرہ عرب اور اس کے بعد بحر ہند میں پہنچتے ہیں۔

سعودی عرب کی سمندری حدود خلیج فارس تک پہنچتی تو ہیں، لیکن وہ آبنائے ہرمز کے دونوں طرف کے ساحل کا مالک نہیں۔ اسی طرح متحدہ عرب امارات کا ساحل آبنائے کے مغربی سرے کے قریب آتا ہے، لیکن خود آبنائے کے اہم مشرقی حصے کے ساحل ایران اور عمان کے پاس ہی ہیں۔ لیکن یہاں ایک دلچسپ قانونی پیچیدگی ہے۔ آبنائے ہرمز اس قدر جگہ ہے کہ اس کے بیشتر حصے میں ایران اور عمان کے 12 بحری میل کے علاقائی پانی ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اس لیے درمیان میں کوئی ایسا وسیع ”بین الاقوامی پانی“ موجود نہیں جس پر کسی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب بڑے اطمینان سے ایک مینگے ریسٹوران میں تھپائیٹے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک اجنبی اُن کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ سلام دعا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اُس نے اپنی جیب سے ایک لیموں اور فولڈنگ چاقو نکالا۔ لیموں کاٹ کر اُس شخص کے کھانے پر نچوڑ دیا اور جس کا کھانا تھا اُس سے کہا: ”لیجیے کھائیے، کھانے کا مزہ تو لیموں کے ساتھ ہی ہے۔ کھائیے کھائیے اور ساتھ ہی کھانے میں شریک ہو گیا۔ جو صاحب کھانے کا آرڈر دینے کے بعد خاصی دیر تک انتظار میں رہے تھے کہ کب کھانا آئے اور وہ اپنا پیٹ بھریں، اپنے کھانے کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر تھما کر ہی رہ گئے مگر انہوں نے کچھ کہنے کی بجائے اپنے غصے کو قابو کیا اور دانت پیستے ہوئے مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا: ”جی شکریہ“

اندر ہی اندر تھماتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ عجیب بد تمیز آدمی ہے۔ کھانا میں نے منگوایا ہے اور میرے منگوائے کھانے میں نہ صرف بلا اجازت شریک ہو گیا ہے بلکہ مجھے ایسے دعوت دے رہا ہے جیسے بل اُس نے دیا ہو۔ لیموں نچوڑنے والا بھی خاصا گھاگ تھا، اُس نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو وہ سوچ رہا تھا۔ کہنے لگا، حضرت ناراض نہ ہوں، کھانا آپ کا اور لیموں میرا جس کے بغیر کھانے کا مزہ ہی نہیں بنتا تو اب ڈالنے میں میرا حصہ بھی تو جتا ہے نا۔“

دوسروں کے کھانے میں بلا اجازت لیموں نچوڑ کر شریک ہو جانے والا یہ ایک ہی شخص نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے کے علاوہ غیر ملکی معاشروں اور بین الاقوامی سیاست میں بھی ایسے بے شمار ”لیموں نچوڑ“ ہر روز سامنے آتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں صدر ٹرمپ نے آبنائے ہرمز کا نیا نقشہ جاری کرتے ہوئے اس پر امریکی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے۔

آبنائے ہرمز پر امریکی ملکیت کے دعویٰ سے پہلے تو بعض لوگ یہ بھی سوال کرتے ہوئے ملے ہیں کہ آبنائے ہرمز پر صرف ایران کے ہی کنٹرول کو کیوں قانونی تصور کیا جاتا ہے جبکہ اُس علاقے میں تو ایران، عراق، سعودی

ریاست کی علاقائی خود مختاری نہ ہو۔ موجودہ جہاز رانی کے راستے ایران اور عمان کے علاقائی پانیوں سے گزرتے ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایران یا عمان اپنی مرضی سے جب چاہیں عالمی جہاز رانی بند کر دیں۔

آبنائے ہرمز کو بین الاقوامی جہاز رانی کے لیے استعمال ہونے والی آبنائے تصور کیا جاتا ہے، اور یہاں ٹرانزٹ فیج کا اصول بہت اہم ہے۔ بین الاقوامی سمندری قانون کے مطابق ایسی آبنائوں میں جہازوں کی آمد و رفت کو بلا جواز روکنا ایک الگ مسئلہ ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بین الاقوامی قانون اگر اس طرح سے ہے تو پھر ایران کو اتنی طاقت کیوں حاصل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایران کے پاس آبنائے کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ متعدد جزائر بھی ہیں، مثلاً: قشم، ہرمز، لارک، وغیرہ جن کی وجہ سے ایران کی سمندری حدود مزید دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آبنائے کے شمالی حصے میں ایران کی ساحلی پوزیشن ایسی ہے کہ وہ جہازوں کی نقل و حرکت کو عملی طور پر متاثر کر سکتا ہے۔ اسی لیے ایران کا اصل ”استحقاق“ قانونی ملکیت سے زیادہ جغرافیائی اور عسکری ہے۔

رائٹرز کے مطابق ایران اس وقت آبنائے کے اندر آنے والے جہازوں پر زیادہ کنٹرول اور باہر جانے والی ٹریلنگ پر نگرانی چاہتا ہے، جبکہ عمان کے ساتھ اس معاملے پر اُس کا شدید اختلاف موجود ہے۔ ان حالات میں عمان کو نظر انداز ہرگز نہیں کیا جا سکتا مگر ایسا کیا جا رہا ہے۔ آبنائے کے جنوبی حصے میں عمان کا علاقہ منہم بڑی اہم پوزیشن کا حامل ہے۔ بلکہ آبنائے کے اندر بین الاقوامی جہازوں کے لیے استعمال ہونے والی بعض لازمی شپنگ لینز عمانی علاقائی پانیوں میں واقع ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ”آبنائے ہرمز صرف ایران کا ہے“ قانونی طور پر درست نہیں ہے بلکہ یہ بات زیادہ درست ہے کہ آبنائے ہرمز ایران اور عمان کے علاقائی پانیوں میں منقسم ہے، جبکہ اس سے گزرنے والی بین الاقوامی جہاز رانی کو بین الاقوامی سمندری قانون کا نظام تحفظ دیتا ہے۔

ان حالات میں عراق، سعودی عرب، قطر، بحرین، کویت اور متحدہ عرب امارات کا اس پر کیا حق ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ یہ ممالک آبنائے ہرمز کے مالک نہیں ہیں مگر آبنائے کی بندش کی صورت میں ان پر پڑنے والے اثرات بہت بڑے بلکہ گہرے ہیں۔ مثلاً سعودی

عرب اور متحدہ عرب امارات اپنا تیل ضلع فارس کی بندرگاہوں سے ہی باہر بھیجتے ہیں۔ ہرمز بند ہونے کی صورت میں ان کی برآمدات شدید متاثر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت اور بحرین کا آبنائے میں ”مملکت حق“ نہ ہونے کے باوجود اس کے کھلے رہنے میں ہی فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ بحران میں غلطی ریاستیں ایران کے ساتھ آبنائے کے انتظام کے کسی علاقائی فارمولے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ گزشتہ ماہ عمان نے ایران کو ایک علاقائی انتظام کا منصوبہ بھی پیش کیا تھا جسے دیگر غلطی ریاستوں کی بھی حمایت حاصل تھی مگر ایران نے اسے مسترد کر دیا۔

تمام تر بحث کا نتیجہ یہی ہے کہ ضلع فارس کے تمام ساحلی ممالک کا ضلع فارس میں اپنے اپنے علاقائی پانیوں پر حق ہے؛ لیکن آبنائے ہرمز کے براہ راست ساحلی ممالک صرف ایران اور عمان ہی ہیں اور انہی دو ممالک کا اس پر حق ہے۔ امریکہ کا اس پر دعویٰ صرف اسی صورت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اگر بین الاقوامی قوانین میں ”جس کی لاشی اس کی بھینس“ کا قانون بھی شامل کر لیا جائے۔

امریکہ کا New U.S Territory کہنا صرف ایران کے دعوے کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ عمان کی خود مختاری کو بھی نظر انداز کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ دنوں میزائلوں کی کمی کی وجہ سے امریکہ محض زبانی کلامی جنگ کر رہا تھا اب تک اس نے خاصا وقت حاصل کر لیا ہے اور تازہ دم بھی ہو چکا ہے اگر وہ عمان کو اعتماد میں لے کر نئے سرے سے میدان بلکہ صحیح لفظوں میں سمندر میں اترتا ہے تو ایران کو خاصا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ ان حالات میں عمان اگر دو بلیوں کی کیک پر لڑائی میں بندر کے کردار سے واقف ہے تو اسے امریکہ کو اعتماد کی بجائے صاف جواب دینا چاہئے اور لیون ٹیوڈ کو آٹھا کر ریٹائرمنٹ سے باہر پھینک دینا چاہئے۔



NEW U.S. Territory



لوگو سنو! جناب رسالت مآبؐ میں
ماجی لقب نئی ملاحمؐ کے باب میں
صرح زباں پہ آتا ہے زور کلام سے
کوار کی طرح سے نکل کر نیام سے

نعت رسولؐ کا یہ طریقہ عجب نہیں
لیکن یہ طرز خاص مرا ہے سبب نہیں
سمجھیں عوام داخل حد ادب نہیں
لیکن یہ طرز خاص مرا ہے سبب نہیں
راج ہزار ڈھنگ ہوں ذکر حبیبؐ سے
شاہیں سے مانگئے نہ چلن عندلیب کے

ماہ حبیبؐ خالق اکبر رسولؐ کو
مین الیمؐ ساقی کوثرؐ رسولؐ کو
خیر الوریؐ و شافع محشرؐ رسولؐ کو
شیع و چراغ مسجد و منبرؐ رسولؐ کو
لیکن جو ذات مدح بشر سے بلند ہے
ہم سے یہ پوچھئے کہ ہمیں کیوں پسند ہے

جب بھی سپاہیوں سے پیہر کو پوچھئے
بد و احد کے قاید لشکر کو پوچھئے
مصدق کا ذکر کیجئے خیر کو پوچھئے
یا غزوہ جہوک کے سرور کو پوچھئے
ہم کو جنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں
ہم امتیؐ بانیؐ رسم جہاد ہیں

رسم جہاد حق کی اقامت کے واسطے
خیر و فلاح و امن و عدالت کے واسطے
کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیر الہات مرگ شہادت کے واسطے
لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم جہوم جہوم کر
پیتے ہیں جام مرگ کو بھی چوم چوم کر

لاکھوں درود ایسے پیہر کے نام پر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر
جو حرف لا تخف سے بناتا ہوا نذر
یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سراگر
ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم

توپ و تفنگ و دشنہ و فخر صلیب و دار
ہاں ہے ہماری اُم عمارہؐ سی ذی وقار
ڈرتے نہیں کسی سے محمدؐ کے جاں نثار
ہم ہیں ابو دجانہؐ و طلحہؐ کی یادگار
ہاں مفتی و فقیہ نہیں مان لیتے ہیں
ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نگر جان دیتے ہیں

ایسے یقین نہ آئے تو پیران خانقاہ
اک دن ہمارے ساتھ چلو سوائے رزم گاہ
با خرقہ و کلاہ و مریدان بارگاہ
تم کو دکھائیں طرفہ تماشا خدا گواہ
دیتے ہیں کیسے جان کٹاتے ہیں کیسے سر
پڑھتے ہوئے درود محمدؐ کے نام پر

چمکدار صفائی گہرائی تک اثر

شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت



میرا با اعتماد انتخاب

شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، دانگوں کا صفایا
مہکتی خوشبو



JR Industries:
Shah House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan

For Online Order
☎ 0304 706 1265
jri.com.pk

MULTICAL-1000

Calcium + Vitamin C & B12 + Folic Acid (Sachets)



MULTICAL-1000 CONTAINS

XTRA CALCIUM

Takes you away from
Malaise & Fatigue



Sweetened with Aspartame
Aspartame is safe & FDA approved low
calories sweetener



NABIQASIM INDUSTRIES (PVT) LTD

5th Floor, Commerce Centre, Hassan Mohani Road, Karachi-Pakistan
Email: info@nabiqasim.com website: www.nabiqasim.com UAN 111-742-762

Your Health
our Devotion